مارچ 1999ء ذیقعد 1419ھ
ماہنامہ
عالمگیر محبت'
احترام آدمیت
اور اصلاح و
فلاح انسانیت
کا علمبردار
گوجرانوالہ
فلاح آدمیت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

آدمیت فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مارچ 1999ء ذیقعد 1419ھ
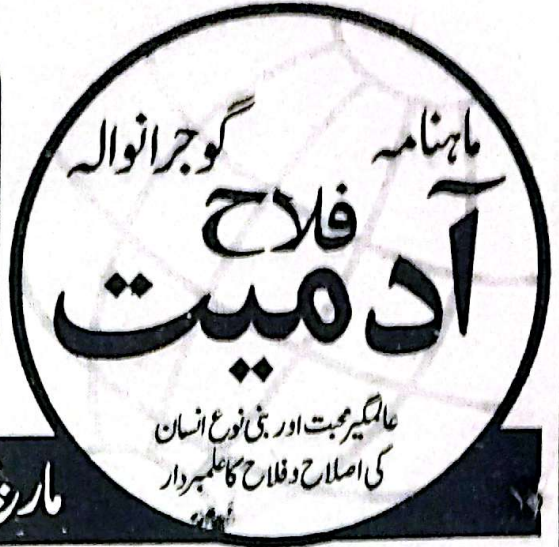
ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی

شعبہ سرکولیشن وحید احمد

مجلس ادارت

محمد مرتضٰی توحیدی ۔ ایم محمد اکرم

پروفیسر منیر احمد لودھی، ایم محمد طالب

ڈاکٹر عبدالرشید وقار، محمد صدیق

سید عاشق حسنین مرتضٰی شاہ بخاری

مولانا حافظ بشیر احمد

قیمت ------ 12/- روپے

سالانہ فنڈ ------ 120/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

قارئین محترم! آپ جانتے ہیں کہ کسی بھی جماعت کا قیام بعض مقاصد کے حصول کی خاطر عمل میں آتا ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی جماعت ہے جس کا مقصد مسلمانوں کا تزکیہ نفس کرنا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ کو باکردار مومن میسر آجائیں۔ جب ایسے افراد بالکل ہی ناپید ہوں تو ایسی جماعت کی ضرورت و اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

آج کی دنیا سائنس، تحقیق اور علم کی قدر دان ہے اور ہر کوئی کھلی آنکھ سے ہر حرکت کو دیکھتا ہے۔ آج تعلیم یافتہ طبقہ اسلام کو جدید زندگی سے ہم آہنگ دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ دنیا اور آخرت کی تمام نعمتوں اور سعادتوں کے حصول کا خواہاں ہے۔ وہ دنیا میں ترقی اور آخرت کے نیک انجام دونوں کو اسلام کی راہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا جو جماعت یا فرد اس سے ہٹ کر کوئی اور بات کہے تو یہ لوگ اس سے بددل ہو جاتے ہیں خواہ وہ اس پہ اسلام کا لیبل ہی کیوں نہ لگاتے ہوں۔ انسان کا اللہ سے تعلق اسی وقت مضبوط ہوتا ہے جب وہ صبر اور شکر دونوں صفات کو اپنی ذات کا جزو نہ بنا لے۔ دنیا کی تمام نعمتوں کو حدود اللہ میں رہتے ہوئے استعمال کرنے سے شکر باری تعالیٰ ادا ہوتا ہے اور مصائب و مشکلات کو خوشی سے برداشت کرنے سے صبر کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں اور یوں انسان صحیح معنوں میں عبد الٰہی ہونے کا حق ادا کر سکتا ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کی تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دل میں اللہ کی محبت کو بیدار رکھا جائے۔ اسی لئے سلسلہ کی تعلیمات میں اللہ کے ذکر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان دنیا ہر لحظہ کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا ہے۔ مگر در حقیقت یہ بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس میں اللہ کی بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ کہ انسان ہر لحظہ انہیں دور کرنے کی وجہ سے متحرک رہتا ہے اور اسی تحریک کی بدولت دنیا کا نظام چلتا رہتا ہے۔ انسانی زندگی میں تکالیف کا آنا جانا یقینی ہے مگر اللہ کے ذکر سے دل میں ایک عجیب قسم کا اطمینان پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مصائب کا اثر بے حد کم ہو جاتا ہے اور انسان ہر حال میں خوش رہتا ہے۔ اسی کو تسلیم و رضا کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

"جان لو! کہ دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے"

برادران سلسلہ گواہ ہیں کہ بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے تجویز کردہ اللہ کے ذکر اور مرشد کامل کی توجہ اور صحبت سے صرف چار پانچ ہفتوں میں ہی اطمینان قلب جیسی لازوال دولت ہاتھ آجاتی ہے جو دنیا کی ساری دولت سے بھی خریدی نہیں جا سکتی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنا ذکر ذوق و شوق سے کرنے اور آنحضور ﷺ کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام عبدالقیوم ہاشمی

اداریہ

قارئین محترم! آپ جانتے ہیں کہ کسی بھی جماعت کا قیام بعض مقاصد کے حصول کی خاطر عمل میں آتا ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی جماعت ہے جس کا مقصد مسلمانوں کا تزکیہ نفس کرنا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ کو باکردار مومن میسر آ جائیں۔ جب ایسے افراد بالکل ہی ناپید ہوں تو ایسی جماعت کی ضرورت و اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

آج کی دنیا سائنس، تحقیق اور علم کی قدر دان ہے اور ہر کوئی کھلی آنکھ سے ہر حرکت کو دیکھتا ہے۔ آج تعلیم یافتہ طبقہ اسلام کو جدید زندگی سے ہم آہنگ دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ دنیا اور آخرت کی تمام نعمتوں اور سعادتوں کے حصول کا خواہاں ہے۔ وہ دنیا میں ترقی اور آخرت کے نیک انجام دونوں کو اسلام کی راہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا جو جماعت یا فرد اس سے ہٹ کر کوئی اور بات کہے تو یہ لوگ اس سے بددل ہو جاتے ہیں خواہ وہ اس پہ اسلام کا لیبل ہی کیوں نہ لگاتے ہوں۔ انسان کا اللہ سے تعلق اسی وقت مضبوط ہوتا ہے جب وہ صبر اور شکر دونوں صفات کو اپنی ذات کا جزو نہ بنالے۔ دنیا کی تمام نعمتوں کو حدود اللہ میں رہتے ہوئے استعمال کرنے سے شکر باری تعالیٰ ادا ہوتا ہے اور مصائب و مشکلات کو خوشی سے برداشت کرنے سے صبر کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں اور یوں انسان صحیح معنوں میں عبد الٰہی ہونے کا حق ادا کر سکتا ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کی تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دل میں اللہ کی محبت کو بیدار رکھا جائے۔ اسی لئے سلسلہ کی تعلیمات میں اللہ کے ذکر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان دنیا ہر لحظہ کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا ہے۔ مگر درحقیقت یہ بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس میں اللہ کی بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ کہ انسان ہر لحظہ انہیں دور کرنے کی وجہ سے متحرک رہتا ہے اور اسی تحریک کی بدولت دنیا کا نظام چلتا رہتا ہے۔ انسانی زندگی میں تکالیف کا آنا جانا یقینی ہے مگر اللہ کے ذکر سے دل میں ایک عجیب قسم کا اطمینان پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مصائب کا اثر بے حد کم ہو جاتا ہے اور انسان ہر حال میں خوش رہتا ہے۔ اسی کو تسلیم و رضا کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

"جانو لو! کہ دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے"

برادران سلسلہ گواہ ہیں کہ بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے تجویز کردہ اللہ کے ذکر اور مرشد کامل کی توجہ اور صحبت سے صرف چار پانچ ہفتوں میں ہی اطمینان قلب جیسی لازوال دولت ہاتھ آ جاتی ہے جو دنیا کی ساری دولت سے بھی خریدی نہیں جا سکتی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنا ذکر ذوق و شوق سے کرنے اور آنحضور ﷺ کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

عبدالرشید وقار

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا

بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنہ)

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنے دوست' تم ان سے محبت کا اظہار کرتے ہو۔ حالانکہ وہ دین حق کا انکار کرتے ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے"

تشریح و شان نزول: نبی اکرم محمد ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب کسی مہم کو سر کرنے کا ارادہ فرماتے تو اس کو صیغہ راز میں رکھتے تاکہ دشمن قبل از وقت اطلاع پا کر دفاعی تیاری نہ کر سکے۔ حکم خداوندی کے مطابق جب مکہ کو فتح کرنے کی خفیہ تیاری شروع کی تو اس کام کو بھی راز ہی میں رکھا گیا۔ تاکہ کفار مکہ مطلع ہو کر اپنے دفاع کی تیاری نہ کر سکیں۔

تیاری کے دوران انہی دنوں میں بنی ہاشم کے خاندان کی ایک باندی جس کا نام سارہ تھا۔ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں مدینہ منورہ حاضر ہوئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ مذکورہ عورت مغنیہ تھی۔ آپ ﷺ اس وقت مکہ پر چڑھائی کی تیاری میں مصروف تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تو مسلمان ہو کر آئی ہے یا ہجرت کر کے آئی ہے۔ اس نے نفی میں جواب دیا۔ پوچھا تیری آمد کا کیا مطلب ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ تنگدستی سے مجبور ہو کر آئی ہوں۔ آپ نے فرمایا مکہ کے نوجوان تو تجھ پر مال نچھاور کرتے تھے؟ اب وہ محفلیں کیا ہوئیں۔ اس نے جواب دیا جنگ بدر کی شکست کے بعد وہ ساری باتیں ختم ہو گئیں بڑے بڑے قریشی سردار مارے گئے اور نوجوان بھی قتل ہو گئے۔ جو باقی ہیں سب سوگوار ہیں۔ میرا کوئی پرسان حال نہیں۔ میری مدد فرمائیں۔ آپ کے حکم کے مطابق اسے کپڑے اور کچھ سامان دے دیا گیا۔ حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ جو بدری صحابی تھے۔ وہ بھی سارہ سے ملے۔ اس کو 10 دینار دیئے اور ایک چادر بھی دی اور ساتھ ہی ایک سنگین غلطی یہ کر دی کہ ایک خط اہل مکہ کو اس عورت کی معرفت بھیجا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ رحمت عالم ﷺ تم پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ تم دفاعی تدابیر اختیار کر لو۔

عورت چپکے سے خط لے کر روانہ ہو گئی۔

رب علیم و خبیر نے بذریعہ وحی حضور اکرم سرور دو عالم ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دے دی۔ آپ ﷺ نے چند صحابہ جس میں حضرت علیؓ بھی تھے کو سارہ کے پیچھے گھوڑوں پر روانہ کیا اور فرمایا کہ مقام روضہ خاخ پر تمہیں ایک عورت ملے گی اس کے پاس حاطب ابن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے جو کفار مکہ کے نام لکھا گیا ہے۔ وہ خط اس سے لے لو اور اس کو چھوڑ دو۔ اگر انکار کرے تو اسے قتل کر دو۔ صحابہؓ روانہ ہو گئے اور اس عورت کو مذکورہ مقام پر جالیا۔ پوچھنے پر انکار کر گئی اور قسم کھائی کہ اس کے پاس کوئی خط نہیں۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے قسم کھا کر کہا کہ تاجدار مدینہ ﷺ کی خبر خلاف واقعہ نہیں ہو سکتی۔ خط نکال یا قتل ہونے کے لئے تیار ہو جا۔ چنانچہ عورت نے چوٹی سے خط نکال کر پیش کر دیا۔

آپ ﷺ نے حضرت حاطبؓ کو بلایا اور اس حرکت کا سبب پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں کبھی کفر نہیں کیا اور نہ ہی خیانت کی۔ جب سے ہجرت کی اہل مکہ سے کوئی محبت نہیں رکھی میرے لئے مسئلہ یہ ہے کہ میں قریش میں سے نہیں ہوں۔ بلکہ باہر سے آ کر قریش میں آباد ہوا تھا۔ اور میرا وہاں کوئی رشتہ دار بھی نہیں جو میری عدم موجودگی میں میرے بیوی بچوں کا تحفظ کرے۔ جب کہ میرے ساتھ جو لوگ ہجرت کر کے آئے ہیں ان کے وہاں رشتہ دار ہیں جو ان کے گھربار کی نگرانی کرتے ہیں۔ مجھے ہر وقت یہی اندیشہ ہے کہ کوئی ان کو نقصان نہ پہنچائے اس لئے میں نے چاہا کہ اہل مکہ پر احسان کر دوں تاکہ وہ احسان مند ہو کر میرے بچوں کو کچھ نہ کہیں۔

میرا یہ بھی ایمان ہے کہ میرا یہ خط ان کو بچا نہ سکے گا۔ اہل مکہ پر عذاب نازل ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو غالب فرمائے گا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابی کا عذر قبول فرمایا اور کوئی مواخذہ نہ فرمایا اگرچہ مندرجہ بالا آیات حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ سے متعلق نازل ہوئیں۔ لیکن روئے سخن ساری امت مسلمہ کی طرف ہے۔ اور نصیحت کی جا رہی ہے کہ ایسی غلطی کے ارتکاب سے اسلام اور اسلامی مشن کے علم برداروں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ لہذا کبھی ایسی غلطی نہ کرنا اگرچہ

نیت درست ہی ہو۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیں تاکہ میں حاطبؓ کی گردن اڑا دوں۔ لیکن انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ بلکہ بدری صحابی ہونے کے شرف پر چھوڑ دیا گیا۔

اس آیت کے ضمن میں چند مسائل ابھر کر سامنے آتے ہیں

حضرت حاطبؓ جن سے یہ جرم سرزد ہوا ان کے بارے میں ہی یہ آیت نازل ہوئی تو آیت کی ابتداء ان الفاظ "اے ایمان والو" سے کی گئی۔ یعنی اگرچہ یہ فعل سنگین جرم ہے لیکن مسلمان اس سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ ورنہ حضرت حاطبؓ کو دوبارہ مسلمان ہونے کا حکم فرمایا جاتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان یہ جرم بار بار کرلے تو امام مالکؒ کے فتویٰ کے مطابق واجب القتل ہے۔ اس جرم سے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اگر مسلمانوں کے راز بتانے والا کافر ہو اور ذمی بھی ہو تو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ذمی کی حفاظت کا ذمہ اسلامی حکومت لیتی ہے اور ذمی اگر جاسوسی کرے گا تو معاہدہ ٹوٹ جائے گا۔

تیسری بات جو اس واقعہ سے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی پر وطن دشمنی کا الزام یا جاسوسی کا الزام لگے تو اسے صفائی کا موقعہ دیا جائے۔ اس کو سزا دینے سے پہلے تحقیق کر لی جائے۔ محض شک کی بنا پر کسی کو سزا دینا اسلام میں جائز نہیں۔

خلاصہ اس کا یہی ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو تنبیہہ فرماتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کفار سے دوستی ناپسندیدہ حرکت ہے۔ تم صاف دل ہو لہٰذا دوسروں کو بھی اپنے جیسا سمجھتے ہو۔ حالانکہ کفار کو ان کے کفر نے ان صفات عالیہ سے محروم کر دیا ہے جن کی تم ان سے توقع رکھتے ہو۔ ان کے دلوں میں تمہارے لئے بغض اور عناد کی آگ بھڑک رہی ہے۔ محتاط ہو کر نہ چلو گے تو وہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے اور مشکلات میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اگر تم کمزوری دکھاؤ گے تو وہ تم پر ذرہ برابر رحم نہیں کریں گے۔ موقع ملتے ہی کوشش کریں گے کہ تمہارا صفایا کر دیا جائے۔

درسِ حدیث

رانا محمد اعجاز

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من فتح له منكم باب الدعاء فتحت له ابواب الرحمه وما سئل الله يعنى احب اليه من ان يسال العافيه (ترمذی)

ترجمہ! "حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ کو سوالوں اور دعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندے اس سے عافیت کی دعا کریں یعنی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں۔"

دعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے اور عبادت ہی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے۔ درحقیقت انسانوں کے اعمال و احوال میں دعا ہی سب سے زیادہ قیمتی اور محترم ہے اور خدا تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو کھینچنے کی سب سے زیادہ طاقت دعا میں ہی ہے۔

رسول کریم ﷺ نے متعدد احادیث میں فرمایا ہے کہ رب العزت سے بہتات سے دعا کرنی چاہئے کیونکہ دعا بذات خود عبادت ہے اور یہ بندے کا ایک ایسا مقدس عمل ہے جس کا پھل اسے ضرور ملے گا۔

رسول کریم ﷺ نے حدیث مبارکہ میں عافیت کی دعا مانگنے کا درس دیا ہے۔ عافیت کا مطلب ہے تمام دنیوی و اخروی اور ظاہری و باطنی آفات اور بلیات سے سلامتی اور تحفظ۔ تو جو شخص خدا تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگتا ہے وہ برملہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت و کرم کے بغیر وہ زندہ اور سلامت نہیں رہ سکتا اور کسی بھی قسم کی تکلیف اور مصیبت سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ پس ایسی دعا اپنی کامل عاجزی و بے بسی اور سراپا محتاجی کا مظاہرہ ہے اور یہی کمال عبدیت ہے۔ اسی لئے عافیت کی دعا رب العزت کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

دوسری بات جو اس حدیث مبارکہ میں فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس کے لئے دعا کا دروازہ

کھل گیا یعنی جس کو دعا کی حقیقت نصیب ہو گی اور خدا تعالیٰ سے مانگنے کا ڈھنگ آگیا تو اس کے لئے رحمت الٰہی کے دروازے کھل گئے۔ دعا دراصل ان دعائیہ کلمات کا نام نہیں جو زبان سے ادا ہوتے ہیں در حقیقت دعا انسان کے قلب اور اسکی روح کی طلب اور تڑپ ہے اور حدیث مبارکہ میں اس کیفیت کے نقیب ہونے ہی کو باب دعا کے کھل جانے سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب بندے کو وہ نصیب ہو جائے تو اس کے لئے رحمت الٰہی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ ایک اور جگہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

"خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی چیز اور عمل دعا سے زیادہ عزیز نہیں"

دعا دراصل وہی ہے جو دل کی گہرائی سے اور اس یقین کی بنیاد پر ہو کہ زمین و آسمان کے سارے خزانے صرف اور صرف خدا تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہیں اور وہ اپنے در کے سائلوں، مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے اور مجھے جب ہی ملے گا جب وہ عطا فرمائے گا اور اس در کے سوا میں کہیں نہیں پا سکتا۔ اس یقین اور بے بسی کے احساس سے بندے کے دل میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی دراصل دعا کی روح ہے اور کوئی بندہ جب اس اندرونی کیفیت کے ساتھ بارگاہ الٰہی سے عرض کرتا ہے تو اس مالک حقیقی کا دستور ہے کہ وہ دعا قبول فرمالیتا ہے۔

آج ہم میں سے بیشتر ایمانی کیفیت سے خالی ہیں جو دعا کی اصل روح اور جان ہے اور صرف پریشانی اور مصیبت کے وقت ہی خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں ان کا رابطہ خدا تعالیٰ سے بہت ضعیف ہوتا ہے اور خدا کی رحمت پر ان کو وہ اعتماد نہیں ہوتا جس سے دعا میں روح اور جان پیدا ہوتی ہے اس کے برعکس جو بندے ہر حال میں خدا تعالیٰ سے مانگنے کے عادی ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ان کا رابطہ قوی ہوتا ہے ان کی دعا جاندار اور قبولیت کی منزل کو پالیتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دعا کے وقت دل کو پوری طرح خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور اس کی کریمی پر نگاہ رکھتے ہوئے یقین کے ساتھ قبولیت کی امید رکھنی چاہئے اور سب سے زیادہ عافیت کی دعا کرنی چاہئے کیونکہ خدا تعالیٰ کو دعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب اور عزیز ہے۔

تخلیق آدم

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

انسان کی حقیقت اور اس کی غرض و غایت جاننے کے لیے خالق کائنات کی راہنمائی حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ اس وقت روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں میں سے صرف ایک ہی کتاب اپنی اولین زبان اور ہر قسم کی تحریف سے پاک اصلی متن کے ساتھ موجود ہے اور وہ قرآن کریم ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اللہ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔ دوسرے مذاہب کے ماننے والے اپنی کتابوں کے بارے میں ایسا دعویٰ کر ہی نہیں سکتے۔ خالق کائنات نے اپنی حکمت بھری کتاب میں انسان کی تخلیق کے بارے میں جو راہنمائی فرمائی ہے اس کی روشنی میں ہم شروع کتاب میں اٹھائے گئے سوال کا جواب تلاش کرنے کی جدو جہد کریں گے۔ کتاب مقدس کی ایک مختصر سی آیت مبارکہ نے ایک عظیم حقیقت کو اس طرح اپنے اندر سمیٹ رکھا ہے جیسے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہو سورت ذاریات کی آیت 56 ملاحظہ فرمائیے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون O

"اور ہم نے جن اور انسان اس لیے پیدا کیے ہیں کہ وہ میری بندگی کریں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کی تخلیق کا ایک ہی مقصد ہے کہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرے۔ عبادت سے مراد صرف ارکان اسلام کی ظاہری پابندی ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ ان پر عمل کرنا تو بندگی کے اقرار اور اللہ سے اپنی محبت کے عملی اظہار کی ایک صورت ہے۔ یہ شریعت کا مقرر کردہ کم از کم معیار ہے اور اس کی پابندی ہر مومن پر لازم ہے۔ ان کی ادائیگی سے ایک مسلمان کی پہچان ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا معمول کا تعلق قائم رہتا ہے۔ عبادت کا وسیع تر مفہوم تو بھرپور محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت ہے جو پوری زندگی پر حاوی ہو۔ یہ یاد رہے کہ عبد کے معنی غلام کے ہیں اور عملی زندگی میں ایک غلام کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی' وہ اپنی خواہشات کو اپنے محبوب آقا کی رضا

کے حصول کے لئے قربان کر دیتا ہے۔ جو اپنے مالک کا سچا بندہ بن جائے وہ اپنی من مرضی کا غلام رہ ہی نہیں سکتا اور وہ سب کچھ کسی جبر کے تحت نہیں کرتا بلکہ برضا و رغبت اپنا مال و جان اپنے محبوب مالک کے قدموں پر نچھاور کر کے اس کی رضا کا طالب بن کر اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ انسان کی زندگی کی معراج بھی اللہ تعالے کی رضا اور اس کا قرب و دیدار ہے اور یہ نعمت عظمیٰ اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یوں نقل کیا گیا ہے کہ

"میں ایک مخفی خزانہ تھا جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلقت کو پیدا کیا۔"

اور یہ اللہ کی مقدس کتاب قرآن کا انکشاف ہے کہ ہر شے اپنی اپنی پیدائش کی مناسبت سے ذی شعور ہے۔ اپنے خالق کو پہچانتی اور اس کی تسبیح بیان کرتی اور اس کے احکام کی کامل اطاعت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوق سے بہتر صلاحیتوں اور برتر شعور سے مشرف فرمایا تاکہ یہ سب سے زیادہ اپنے خالق کی معرفت اور قرب حاصل کر کے اپنے رب کی بہترین نعمتوں اور انعام و اکرام سے نوازا جائے۔ یہ خصوصی نوازش اللہ تعالیٰ کا انسان پر بہت بڑا احسان ہے اور اس کی بے پایاں محبت کا مظہر ہے کہ اسے اپنے قرب اور دیدار جیسی عظیم نعمت کے لئے منتخب فرمالیا۔ اس طرح یہ بات پوری طرح کھل کر سامنے آگئی کہ انسان کی زندگی کا مقصود اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔

ترجمان حقیقت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے ایک ہی شعر میں اس راز کو افشا کرتے ہوئے فرمایا

کمال زندگی دیدار ذات است
طریقش رستن از بند جہات است

یعنی انسان کی زندگی کا کمال یہ ہے کہ اپنے رب کی کامل بندگی کے ذریعے وہ مقام حاصل کر لے جہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ اس کے حصول کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کی رضا کے حصول کی راہ میں اس طرح آگے بڑھتا چلا جائے جس طرح ایک ذہین و فطین بچے کو اپنی عبقریت کے اظہار کے لیے کسی مناسب تعلیمی اور تجرباتی ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان کی تسخیرو تعمیر کی صلاحیتوں کو پروان چڑھا کر مقصود حیات تک پہنچنے کے لیے بھی ایک خصوصی اور اسکے شایان شان تربیت گاہ کی ضرورت تھی اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی زمین کو اپنی لاتعداد آیات سے مزین کر کے ایک وسیع و عریض تربیت گاہ کے طور پر تیار

کر رکھا تھا۔ قرآن کریم میں تمام انسانوں کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کافی تفصیل کے ساتھ مختلف مقامات پر آیا ہے۔ اللہ تعالے کی اس آخری کتاب کے مطابق اللہ تعالیٰ نے زمین کی حکمرانی اپنے قرب و دیدار کی نعمت عطا کرنے کے لیے انسان کا انتخاب فرمایا اور اسے فرشتوں اور جنات پر فضیلت عطا فرمائی۔ اللہ تعالے نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر چیزوں کے نام سکھا دئے۔ گویا تمام علوم کی روح اور چیزوں کی تسخیر کرنے کا ولولہ ان کے اندر پھونک دیا۔ ملائکہ پر انسان کی فضیلت اور برتری کے عملی اظہار کے لیے اللہ تعالے نے وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو پیش کر کے ان کے نام دریافت فرمائے تو فرشتوں نے اپنی کوتاہ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے جواب دینے سے معذرت کرلی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو تمام چیزوں کے ناموں سے آگاہ کر دیا تو انسان کے استحقاق کے خلاف فرشتوں نے جو اعتراض اٹھایا تھا وہ رفع ہو گیا۔ اس پر اللہ قادر مطلق نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو سب مجھ کو معلوم ہے۔ بعض ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اس طرح تو اللہ تعالے نے جانبداری برتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تو سب چیزوں کے نام سکھا دیے اور فرشتوں کو نہ سکھائے۔ ایسی سوچ کم فہمی پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو رحمان و رحیم ہیں اور عادل ہیں وہ ہرگز ظلم نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی ذات کے ساتھ منفی اور سلبی صفات منسوب کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔ جس شے میں جس قدر خلقی استعداد موجود ہوتی ہے اسی کے مطابق اللہ کریم کی عطا ہو جاتی ہے۔ فرشتوں میں خلقی طور پر ہمہ دانی اور ہمہ گیری کی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ ایک فرشتہ تمام چیزوں کے نام جان سکے یا مختلف النوع کام انجام دے سکے۔ ہر فرشتہ کو جو وظیفہ حیات عطا ہوتا ہے وہ اسی تک محدود رہتا ہے۔ اسی لئے صور پھونکنے، وحی لانے، جان قبض کرنے، بادلوں کو ہانکنے، بیجوں کو چٹخانے، نامہ اعمال لکھنے اور دوسرے بے شمار اعمال ادا کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ فرشتے تعینات ہیں۔ آدم علیہ السلام کو اللہ حی و قیوم نے احسن تقویم یعنی دوسری مخلوق سے بہتر صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا تھا اور صرف وہی علم الاسما کا حامل ہونے کی اہلیت سے بہرہ ور تھا۔ اس علمی امتحان کے بعد اللہ تعالے نے ملائکہ کو حکم فرمایا کہ حضرت آدم علیہ

السلام کو سجدہ کرو۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی برتری اور فضیلت تسلیم کرتے ہوئے اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔ اس کی اولاد پہلے ہی زمین پر آباد تھی۔ وہ جنات میں سے تھا اور خود بھی دل میں خلافت کی خواہش چھپائے ہوئے تھا۔ جب اللہ تعالے نے ابلیس سے دریافت فرمایا کہ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو پھر آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونے میں کونسا امر تجھے مانع ہوا۔ ابلیس نے جواب دیا کہ میں آدم سے بہتر اور برتر ہوں۔ اس کی تخلیق تو حقیر اور بدبودار مٹی سے کی گئی ہے اور مجھے آپ نے مٹی سے بہتر اور لطیف شے آگ سے پیدا فرمایا۔ آپ نے اسے مجھ پر فضیلت بخش کر خلافت ارضی عطا کردی ہے حالانکہ اس کی حیثیت میرے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر آپ میری درخواست قبول فرمالیں تو میں یہ ثابت کردوں گا۔ آپ روز قیامت تک کے لیے مجھے زندگی کی مہلت عطا فرمادیں تو میں اس کی اولاد کو آپ کی محبت و اطاعت کے صراط مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کردونگا اور آپ دیکھیں گے تھوڑے سے لوگ ہی شکر و رضا کے شیوہ پر قائم رہ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی گذارش قبول فرمالی۔ اور اس طرح ابلیس پوری نسل انسانی کے دشمن کی حیثیت سے کھلم کھلا میدان میں اتر آیا وہ اپنی ذریت، لاؤ لشکر، مکرو فریب اور تمام تر تخریبی حربوں سے لیس انسان کو اللہ تعالے کی راہ سے ہٹانے اور قرب و دیدار سے محروم رکھنے کے لیے اس پر آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے حملے کرتا رہتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور انکی شریک حیات حواؑ کو کچھ عرصہ کے لیے جنت میں ٹھرانے کا انتظام فرمایا تاکہ ان کی ارواح اپنی منزل سے آشنا ہو کر دنیا میں جائیں۔ جنت میں انہیں ہر طرح کی آزادی اور سہولت دستیاب تھی سوائے ایک خاص درخت جس کے قریب آنے سے اللہ علیم و خبیر نے انہیں منع کردیا تھا۔ ابلیس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسانے کے لیے کمربستہ ہوگیا۔ اس نے شجر ممنوعہ کے فوائد بڑے دلکش انداز اور منطقی استدلال کے ساتھ بیان کرتے ہوئے انہیں مستقبل کے بڑے سہانے خواب دکھائے۔ اس کے ساتھ ہی قسمیں کھا کھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین بھی دلاتا رہا اور آخر کار انہیں فریب دینے میں کامیاب ہوگیا۔ اس درخت کا پھل چکھتے ہی ان کی کیفیت بدل گئی۔ ان کے ستر کی چیزیں ان پر کھل گئیں اور وہ شرمساری سے بچنے کے لیے جنت کے درختوں کے پتے اپنے اوپر

چپکانے لگے ۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے انہیں پکارا کہ کیا میں نے تمھیں اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے ۔ اس پر وہ دونوں بہت ہی پچھتائے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے بڑے ہی خشوع و خضوع سے توبہ کی اور اللہ تعالےٰ سے چند دعائیہ کلمات سیکھ کر ان کے ذریعے مغفرت طلب کی اور رحم کی بھیک مانگی تو اللہ رحیم و کریم نے ان کی معذرت قبول فرما کر انہیں معاف فرما دیا ۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ انسان کو ازلی اور پیدائشی گنہگار سمجھنے کا عقیدہ درست نہیں ہے ۔ آدم علیہ السلام کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ انہیں زمین کی خلافت دی جائے اس لئے انسان کو اس مادی دنیا میں کسی جرم کی سزا بھگتنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ خصوصی صلاحیتوں کے اظہار ، خودی کی تعمیر اور شخصیت کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے ۔ انسان کو خاکی وجود کے ساتھ اس جہان آب و گل میں بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ سماعت ، بصارت اور دل و دماغ کا صحیح استعمال کر کے روح کی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لائے ۔ اور اس مادی عالم کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں لگانے کے ساتھ ساتھ معرفت نفس اور عرفان الٰہی کے بلند ترین مقام تک پہنچ جائے ۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

کا

سالانہ اجتماع

انشاء اللہ تعالیٰ بتاریخ 9، 10، 11 اپریل

بروز جمعہ ، ہفتہ ، اتوار

بمقام مرکز "تعمیر ملت" نزد کوٹ شاہواں جی ٹی روڈ گوجرانوالہ منعقد ہو گا

تمام توحیدی فقیروں سے التماس ہے کہ اپنے احباب سمیت ذوق و شوق کے ساتھ شرکت فرمائیں ۔ یہ تاریخیں حتمی ہیں ۔ دعوت نامے بھی ارسال کئے جائیں گے اگر کسی بھائی کو دعوت نامہ نہ بھی ملے پھر بھی مقررہ تاریخ پر اپنی شرکت سے اجتماع کی رونق کو دوبالا فرمائیں ۔

خوش نویس کی تختی

محمد صدیق ڈار توحیدی

بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ راہ سلوک میں ترقی کا جلدی یا دیر سے ہونا شیخ پر منحصر نہیں ہوتا بلکہ تمہاری اپنی سرشت اور ذہنی و روحانی بناوٹ پر منحصر ہوتا ہے۔ جن لوگوں میں روحانی آثار جلدی پیدا نہ ہوں ان کو گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ برابر اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے جن لوگوں کو روحانی مناظر دکھائی نہ دیتے ہوں انہیں چاہئے کہ اپنے اخلاق کا جائزہ لیں۔ اگر اخلاق بہتر ہو رہا ہے برائیوں سے کراہت اور نیکیوں سے محبت بڑھ رہی ہے تو یہ روحانی ترقی کا ہی نتیجہ ہے۔ پھر بھی کئی بھائی شکایت کرتے رہتے ہیں کہ اتنی دیر ہو گئی اللہ اللہ کرتے لیکن روحانی ترقی محسوس نہیں ہوتی۔ دراصل جو چیز ہر روز تھوڑا تھوڑا بڑھ رہی ہو وہ کیسے محسوس ہو۔ جیسے چھوٹا بچہ حقیقت میں تو ہر روز ہی بڑھ جاتا ہے لیکن گھر والے اس کے قد میں اضافہ محسوس نہیں کرتے۔ دہلی میں ایک خوشنویس ہوا کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں نے بھی جب ایسی شکائتیں کرنا شروع کیں کہ اتنے ماہ ہو گئے ہیں لیکن خوشخطی میں کوئی خاص تبدیلی تو نظر نہیں آتی۔ انہوں نے اس کا بڑا اچھا علاج ڈھونڈا۔ جوں ہی کوئی نیا شاگرد ان کے مکتب میں داخلہ لیتا وہ اس سے تختی لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیتے۔ جب کوئی شاگرد اس قسم کی شکایت کرتا تو ریکارڈ میں رکھی ہوئی روز اول والی تختی اسے نکال کر دکھا دیتے۔ وہ خود ہی ان دونوں میں واضح فرق دیکھ کر قائل ہو جاتا۔ اب روحانیت میں کوئی اس قسم کی تختی نہیں ہے ورنہ ہم بھی لکھوا کر رکھ لیتے تاکہ سالکین اپنی روحانی ترقی کو واضح طور پر دیکھ کر شکائتیں کرنا بند کر دیتے۔ یہ یقینی بات ہے کہ جن لوگوں میں روحانی آثار دیر میں پیدا ہوتے ہیں وہ ہرگز گھاٹے میں نہیں رہتے اور آخر میں ان لوگوں سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں جن میں آثار روحانی جلدی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو بھی استقامت کے ساتھ تعلیم پر عمل کرتا ہے اس کی برابر ترقی ہوتی رہتی ہے چاہے اسے کچھ بھی دکھائی نہ دے۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطوط

تدوین و ترتیب۔ خالد مسعود

1۔ رابطہ

(بنام محمد قاسم صاحب 63-10-26)

"یہ تجویز زیرِ غور ہے کہ حلقہ میں رابطہ بڑھانے کے لئے ایک ماہانہ پمفلٹ شائع کیا جائے۔ جس میں کسی ایک موضوع پر مضمون لکھا جائے۔

تمام حلقے والوں سے کہہ دیں کہ اگر ان میں سے کوئی مضمون لکھ کر بھیجنا چاہے تو بھیج سکتا ہے اور جس موضوع پر مضمون چھپوانا چاہیں لکھتے رہا کریں"

2۔ مخلوق کی اصلاح

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 64-11-29)

"خوشی ہوئی۔ اللہ آپ کو خیریت سے رکھے اور دین و دنیا کی ترقی دے۔ مخلوق کی اصلاح خدا کے واسطے سب سے بڑی عبادت ہے۔ میں تو مرجاؤں گا اب یہ کام آپ ہی لوگوں کو انجام دینا ہے۔ اللہ آپ کی مدد فرمائے گا۔"

3۔ جوت چل رہا ہے

(بنام محمد قاسم صاحب 65-2-23)

"سنا ہے حلقہ میں خوب جوت چل رہا ہے۔ بشیر اور جمیل گل لڑے ہیں۔ سب سے بڑے ولی اللہ نور صاحب بھی غیور سے لڑے ہیں۔ ایسی باتوں کی اطلاع تو مجھے ضرور دینی چاہئے تاکہ حلقہ میں فساد نہ ہو۔ اب مفصل لکھیں"

4۔ ماہوار چندہ

(بنام محمد قاسم صاحب 65-5-20)

"نور اور غیور کی لڑائی اور بشیر اور پٹھان گل کی جنگ سے مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ یہ غیور میرا شاید سب سے پہلا مرید ہے۔ آج بھی اس کی یہ حالت ہے۔ آپ غیور کے پاس روپیہ نہ رہنے دیا

کریں۔ شہر کا اور ائر فورس والوں کا چندہ تو خود رکھیں اور خود لیں۔ غیور صاحب جو کچھ اپنے پڑوس اور دفتر سے جمع کریں وہ بھی ان سے لے لیا کریں اور خود مجھے بھیج دیا کریں۔ غیور صاحب بے انتہا سست آدمی ہیں اس لئے ان پر زیادہ بار ڈالنا مناسب نہیں۔ ائر فورس والوں کا چندہ حمید صاحب جمع کر کے آپ کو دیں گے شہر کا آپ خود کر لیں یا جہانگیر صاحب سے کرا لیں۔ اگر کوئی نہ مانے تو میرا یہ خط Authority کے طور پر اس کو دکھا دیں"

5۔ باغی مرید

(بنام محمد قاسم صاحب 65-8-13)

"انور قریشی ریڈیو والے کا پتہ لیں۔ میں نے ان کو ایک خط بھی لکھا تھا جواب نہیں آیا۔ معلوم نہیں کیسے ہیں؟ اور ایک وہ سید مرتضیٰ صاحب سنا ہے کہ باغی ہو رہے ہیں"

6۔ جانشین شیخ

(بنام محمد قاسم صاحب 65-10-13)

"فی الحال تو میں دن رات یہ سوچا کرتا ہوں کہ اگر اللہ میاں نے ابھی بلا لیا تو اس حلقہ کا کیا بنے گا۔ برائے مہربانی اپنی رائے لکھیں کہ میرے بعد میری جانشینی کے لئے کون آدمی سب سے بہتر رہے گا۔ آپ تین آدمیوں کے نام لکھ سکتے ہیں۔ سب سے پہلے کون، دوسرا کون، تیسرا کون۔ اگر آپ خود اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھتے ہوں تو بے تکلف لکھیں۔ اہل حلقہ سے بھی یہ بات دریافت کر کے ان کی رائے بھی لے لیں۔ میرا ارادہ ہے کہ پاکستان کے تمام خدام حلقہ سے یہ رائے لے لوں"

7۔ حلقہ کے حالات

(بنام محمد قاسم صاحب 65--11-25)

"کچھ اہل حلقہ کی اور حلقہ کی بابت بھی تو لکھا کریں تاکہ مجھے وہاں کے حالات کا علم رہے"

تعلیم و تزکیہ

سید ابو بکر غزنویؒ

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمہ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون

یہ سورہ بقرہ کی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو مختلف انعامات کئے ہیں وہ بتا رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت پیدا ہو کہ وہ اتنا بڑا محسن ہے' اتنا بڑا منعم ہے۔ اس مقصد سے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بیان کرتے ہیں کہ انسان غافل ہے اور اللہ کی تمام نوازشیں انسان کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ یہ اس کا بہت بڑا کرم ہوتا ہے کہ کسی انسان پر اللہ کے جتنے احسانات اور انعامات ہوں وہ رتی رتی اس کی نگاہ میں رہیں۔ وہ انعامات جو ذہنی ہیں' جسمانی ہیں' ان میں سے کوئی بھی اس کی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

فرماتے ہیں

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم

ایک احسان ہمارا یہ ہے کہ ہم نے تم ہی میں سے ایک پیغمبر تمہارے پاس بھیجا' جو تمہیں ہماری ذات اور صفات اور ہمارے افعال کی معرفت بخشتا ہے جو تمہیں خیرو شر میں حد فاصل کھینچنے کی تمیز بخشتا ہے۔

لفظ "منکم" پر زور دیا کہ دیکھو جو پیغمبر ہم نے بھیجا ایسا نہیں کیا کہ کہیں باہر سے آئے ہوں اور اس نے کہہ دیا ہو کہ میں تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اسی معاشرے میں سے جس میں انسان رہتا ہو' اپنوں میں سے کسی آدمی کامل جانا جس سے فیضان حاصل ہو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت اور احسان ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تو یہی کہا۔ وابعث فیھم رسولا منھم یا اللہ ایک تو ان پر فیضان رسالت نازل فرما اور فیض رساں ہو بھی انہی میں سے۔ قرآن اس پر زور دیتا ہے۔ جب رسالت ختم ہو گئی' تو بزرگوں نے کہا کسی ولی کا اس معاشرے میں ہونا اللہ تعالیٰ کا اس معاشرے پر بہت بڑا کرم اور اس کی نوازش ہوتی ہے۔ فیض رساں ولی اگر اسی معاشرے میں سے ہو تو بڑی سہولت کے ساتھ اس سے طبعی مناسبت ہو جاتی ہے۔ اس لئے قرآن میں بار بار یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ منکم۔ کہ ہم نے جو پیغمبر بھیجا وہ تم ہی میں سے ہے۔ اس بات کو نعمت اور

احسان کے طور پر بیان فرمائے ہیں۔
اس آیت میں سلوک کے تمام مقامات بلکہ ایک مسلمان کو جو باتیں زندگی میں حاصل کرنی چاہئیں ان کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو کام کیا اس کی اہم کڑیاں کیا تھیں؟

فرماتے ہیں یتلوا علیکم ایاتنا تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ خود قرآن مجید کی آیتوں کی تلاوت باعث برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فیوض و برکات ہیں جو محض تلاوت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس دور کی جہاں اور بہت سی محرومیاں ہیں وہاں ایک محرومی یہ بھی ہے کہ لوگوں نے تقریر کے دوران قرآن مجید کی آیتیں پڑھنی چھوڑ دی ہیں۔ اس دور حاضر کے علماء حضرات یا لیکچرار جب تقریر کرتے ہیں تو قرآن کا متن نہیں پڑھتے۔ اس کو OUT OF DATE سمجھتے ہیں کہ آیتیں اور حدیثیں زیادہ پڑھی جائیں باتیں زیادہ کی جاتی ہیں۔ فقرہ بازیاں ہوتی ہیں۔ فلسفہ چھانٹنے کی کوشش زیادہ کی جاتی ہے۔ اس سے نحوست پیدا ہوتی ہے۔

جن لوگوں کا قدم سیدھے راستے پر ہے وہ آیتوں کو "تبرکا" اور "تیمنا" بھی پڑھتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ وہ تمہارا تزکیہ کرتے ہیں۔ وہ تمہاری روح کی سیاہیاں دھو ڈالتے ہیں۔ وہ تمہارے جذبات کی تطہیر کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اللہ کی تعلیم دیتے ہیں اور دین کا فہم اور بصیرت تمہیں عطا کرتے ہیں۔ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون اور تمہیں وہ علم و معرفت کی باتیں بتاتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔ یعنی حضور علیہ السلام صحابہ ؓ کے قلب و ذہن کی بیک وقت تربیت کرتے تھے اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرتے تھے۔

آگے فرماتے ہیں فاذکرونی میری یاد میں لگ جاؤ۔ میرے ذکر میں لگ جاؤ۔ گرہیں کھلتی جائیں گی۔ راستہ سوجھتا چلا جائے گا۔ جیسے آپ کسی کو کہیں کہ یہاں سے کراچی ایک ہزار میل کے فاصلے پر ہے۔ پھر آپ اس کو سڑک بتائیں کہ اس پر چلنا شروع کرو۔ راستہ منکشف ہوتا چلا جائے گا۔ پس ---- فاذکرونی اذکرکم --- میرے ذکر میں لگ جاؤ۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ میری یاد میں لگ جاؤ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے بتایا ہے ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق میری یاد میں لگ جانا۔ اپنے جی سے گھڑ کر نسخے نہ بنانا۔ جیسے علماء حق اور مشائخ کتابوں کو پڑھنے کے بعد اور نسخوں کو استعمال کرنے کے بعد تمہیں نسخہ بتائیں اس کے مطابق ذکر کرنا۔ جیسا کہ "حزب البحر" کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ ؒ لکھتے ہیں ذکر بھی دعاؤں کی طرح ہے' تریاق کی طرح ہے۔ اس کی بھی ایک DOZ AGE ہوتی ہے۔ ایک مقدار ہوتی ہے۔ مختلف لوگوں کے لئے اس کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ بعض حالتوں میں ذکر اگر حدود

سے متجاوز ہو جائے تو نقصان دہ ہوتا ہے' اس لئے کہ بتائے ہوئے طریقے سے نہیں کیا بلکہ اپنے جی سے گھڑ کر شروع کر دیا' یہ بات یوں سمجھ میں آسکتی ہے کہ جیسے کوئی آدمی کسی کیمسٹ کی دکان پر جائے اور بے تحاشا بوتلیں اٹھا اٹھا کر منہ کو لگائے اور دوائیں بے حساب پیتا چلا جائے' تو اسے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح ذکر کا جو دواخانہ ہے۔ اس کے بھی ڈاکٹر ہیں' اطبا ہیں جو دواؤں کی تاثیروں کو سمجھتے ہیں۔ اگر اتنا وقت نہ ہو تو حضور علیہ السلام نے جو بتا دیا کہ 33 دفعہ سبحان اللہ' 33 دفعہ الحمد للہ اور 34 دفعہ اللہ اکبر پڑھو۔ بس یہی پڑھا کرو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ڈاکٹر کہتا ہے کہ یہ تین گولیاں کھاؤ اور وہ چار کھانا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ان حکمتوں کو سمجھتے تھے اس لئے ان کی بتائی ہوئی مقدار پر کم از کم اتنا ایمان تو لاؤ جتنا ڈاکٹر کی بتائی ہوئی مقدار پر ایمان رکھتے ہو۔ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ چار گولیاں کھائیں اور بغیر اس کی علت معلوم کئے چار گولیاں ہی کھاتے ہیں' اس سے کہیں زیادہ یقین کے ساتھ حضور ﷺ کی بتائی ہوئی مقدار پر ایمان لانا چاہیے۔ اس کی علت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

اس میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بعض لوگ آتے ہیں۔ جب ہم انہیں کہتے ہیں کہ سبحان اللہ پڑھا کرو' سبحان اللہ وبحمدہ بڑا وظیفہ ہے تو وہ یوں دیکھنے لگتے ہیں جیسے میں نے انہیں ٹرخا دیا ہو۔ اگر انہیں کوئی لمبی چوڑی غیر مسنون عبارت بتا دی جائے تو بہت خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ زبردست وظیفہ بتایا ہے۔ ہمارے حضرات نے بتایا۔ دیکھو یہ بڑی گستاخی اور بے ادبی کی کیفیت ہے جو ان پر طاری ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایسے لوگوں کے قلب و ذہن پر یہ بات طاری ہو رہی ہے کہ حضور ﷺ کا بتایا ہوا وظیفہ کچھ نہیں ہے۔ اور ان کے خادموں کے بتائے ہوئے وظیفے حضور ﷺ کے بتائے ہوئے وظیفوں سے افضل ہیں۔ تبھی تو وہ یوں دیکھ رہے ہیں کہ یہ تم نے کیا بتا دیا؟ اس پر ایمان ہونا چاہیے کہ حضور کے بتائے ہوئے وظیفے تمام اولیاء کے بتائے ہوئے وظیفوں سے اولیٰ اور افضل ہیں۔ جب تک یہ ایمان نہیں ہو گا اس وقت تک بارگاہ رسالت میں ادب ناقص رہے گا۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ جن وظیفوں کو اولیاء اللہ نے کمایا ہے ان پر ان وظائف کے انوار نازل ہوتے ہیں اور ان کی صحبت سے وہ انوار بڑی سہولت سے منعکس ہونے لگتے ہیں۔ اس لئے اس بارے میں افراط و تفریط کا راستہ اختیار نہ کرنا چاہیے۔ فرماتے ہیں۔ فاذکرونی ---۔ تم میری یاد میں لگ جاؤ اور یاد میں اس طرح لگ جاؤ۔ جس طرح حضور کے ذریعے میں نے سکھا دیا ہے۔۔۔ اذکرکم ---- میں تمہیں یاد کروں گا اور یوں آپس میں ہمارا تعلق قائم ہونے لگے گا۔

دیکھئے حدیث قدسی ہے کہ جو شخص مجھے خلوت میں یاد کرتا ہے میں اسے جلوت میں یاد کرتا ہوں۔ جو مجھے محفل میں یاد کرتا ہے میں اسے محفل میں یاد کرتا ہوں۔ یوں اللہ سے تعلق پیدا ہونا شروع ہو جاتا

ہے جو وعدے اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں اور ذکر کے بعد جو نتیجہ مرتب کرنے کا ذکر فرماتے ہیں انہیں غور سے پڑھنا چاہئے۔۔۔ فاذکرونی۔۔۔ ذکر کرو گے تو کیا حاصل ہو گا" واضح طور پر کہا۔۔۔ اذکرکم۔۔۔ میں تمہیں یاد کیا کروں گا۔ دیکھئے یہ کتنی اہم بات ہے کہ جب اللہ کہتے ہیں کہ یہ کام کرو تو اس سے یہ نتیجہ مرتب کروں گا۔ یہ نہیں کہا تم مجھے یاد کرو گے تو تمہیں کشف ہونے لگے گا۔ یہ نہیں کہا کہ مجھے یاد کرو گے تو تمہیں تصرف کی طاقت دے دوں گا۔ اس سے جو معاہدہ ہوا ہے اس کی شرائط کو غور سے دیکھنا چاہئے اور اس معاہدے کی روشنی میں ہی امیدیں باندھنی چاہئیں اگر کوئی شخص اس معاہدے سے ہٹ کر اپنے جی سے گھڑ گھڑ کر تمنائیں اور آرزوئیں کرنے لگے تو بعض حالتوں میں یہ آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں تو وہ اللہ اور اس کی رسول ﷺ سے بدگمان ہونے لگتا ہے۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ تم یاد کرو تو کشف ہونے لگے گا' تسخیر ہو۔ نے لگے گی' تصرف کی قوت حاصل ہو گی۔ یہ کچھ نہیں کہا بلکہ فرمایا۔ اذکرکم۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔

اس میں بہت بڑی حکمت ہے۔ دوستو! میں کشف سے انکار نہیں کر رہا۔ اولیاء کو کشف ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ سے کراماتیں بھی صادر ہوتی ہیں۔ تصرف بھی ہوتا ہے۔ تسخیر بھی ہوتی ہے۔ مگر اس کا وعدہ نہیں ہے اور نہ مقصود و مطلوب ہے۔ کیونکہ ان باتوں کی ہر ایک میں صلاحیت نہیں ہوتی۔ معاہدے میں یہ شرط نہیں لکھی کہ جو مجھے یاد کرے گا اسے کشف ہونے لگے گا۔ اس لئے یہ توقع رکھ کر ذکر کرنا کہ مجھے کشف ہونے لگے غلط بات ہے پس ذکر کرتے ہوئے سالک ایک ہی بات کی آرزو کر سکتا ہے۔ یعنی جو بات معاہدے میں لکھی ہوئی ہے۔۔۔ اذکرکم۔۔۔ کہ اب اس کے ہاں بھی میری یاد ہونے لگے گی۔ اس کا لمس میں محسوس کروں گا۔

حدیثوں میں استخارے کی جو نماز لکھی ہوئی ہے اس میں صرف یہ لکھا ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد یہ دعا مانگا کرو' برا کام ہو گا تو اللہ تعالیٰ روک لے گا۔ اچھا کام ہو گا تو خدا تمہارا ممد و معاون ہو گا۔ تم نے اپنے جی سے گھڑ لیا کہ خواب آئے گا اور جب نہیں آتا تو پریشان ہوتے ہو۔ استخارے کی حدیث میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ نماز استخارہ کے بعد خواب آئے گا۔ یہ بات ہم نے اپنے جی سے گھڑ لی ہے۔ احادیث سے واضح طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کام میں خیر ہو تو اللہ تکوینی طور پر ممد و معاون ہوتے ہیں۔ اگر کام میں شر ہو تو تکوینی طور پر رکاوٹیں ڈال دیتے ہیں۔ خواب آنے کا وعدہ تو تھا نہیں۔ جب بعض حالتوں میں کوئی خواب نہیں آتا تو انسان نماز استخارہ ہی سے بدگمان ہونے لگتا ہے۔ اگرچہ زبان سے نہیں کہتا۔ مگر اس کے ذہن میں یہ بات پیدا ہونے لگتی ہے کہ استخارے کی نماز سے فائدہ تو کچھ نہیں ہے لہٰذا استخارے سے بدظن ہوا۔ بدظن ہونے سے حضور ﷺ کی محبت میں کمی آئی۔ مذہب سے دور

ہوا۔ کہاں تک بات جا پہنچی۔ صرف اس لئے کہ ایک بات جو مشروط نہ تھی اور حدیث کی کسی کتاب میں لکھی ہوئی نہ تھی وہ ہم نے حضور کے نام لگا دی کہ خواب آئے گا۔ استخارہ تمام صحابہؓ کیا کرتے تھے۔ صبح فیصلہ ہوا کہ فلاں جگہ جانا ہے۔ اسی وقت دو رکعت نماز پڑھتے اور استخارے کی دعا اللھم انی استخیرک بعلمک مانگتے تھے۔ سفر پر روانہ ہو جاتے تھے۔ اگر سفر میں شر ہو تو انسان کو روک لیا جاتا ہے۔ راستے میں سواری نہیں ملتی یا کچھ اور موانع پیش آ جاتے ہیں۔ پس جو بات آیت میں مذکور ہے اسی کی تمنا کرو اور اس کے ذکر میں لگے رہو۔

کما ارسلنا فیکم

اللہ تعالیٰ اپنا ایک احسان جتا رہے ہیں کہ دیکھو ہم نے تمہارے لئے تمہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جس سے تمہیں فیضان حاصل ہوتا ہے اور یہ فرمایا کہ وہ اللہ آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں، تمہارا تزکیہ کرتے ہیں اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ سورہ آل عمران میں فرمایا

یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمہ

سورہ جمعہ میں بھی فرمایا

یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمہ

اسی طرح سورۃ البقرۃ میں بھی دو جگہ یہ بات کہی

یعلمھم الکتاب والحکمہ ویزکیھم ------ یزکیکم ویعلمھم الکتاب والحکمہ

معلوم ہوا کہ یہ کوئی بہت اہم بات ہے کہ جسے آل عمران میں بھی سورۃ الجمعہ میں بھی اور سورۃ البقرۃ میں بھی دہرایا گیا۔ یہ معلوم ہوا یہ مقام قرآن کے ان مقامات میں سے ہے جن پر غور و خوض کرنا چاہیے۔

استاد یا شیخ جس سے ہم دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں یا جس سے ہم فیض حاصل کرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں نائب رسول ﷺ ہوتا ہے اور نیابت کا تقاضا یہ ہے کہ نائب کے اندر اس کی خصوصیات ہوں جس کی وہ نیابت کر رہا ہو۔ شیخ ایسا ہونا چاہئے جو قرآن مجید کو اپنی تعلیمات کا مرکز بنائے اور ایسا نہ ہو کہ غیر معصوم انسانوں کی تعلیمات کو اپنے نظریات کا مرکز و محور ٹھہراتا ہو۔

پہلی بات یہ فرمائی کہ جو پیغمبر کے نائب ہوں، جو وارثین مسند نبوت ہوں یا وارثین نبوت کی نقالی

کرتے ہوں' ان میں پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہئے یتلوا علیھم ایاتہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی تعلیمات کا مرکز و محور ٹھہرائیں۔

جب لوگ پوچھیں کہ شیخ کس کو بنائیں تو جی سے گھڑ کر اس کے خصائص نہیں بتانے چاہئیں۔ اس کے خصائص کتاب اللہ میں لکھے ہوئے ہیں۔ حدیث میں ہے العلماء ورثۃ الانبیاء۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ پس وارث میں اسی کے محاسن اور شمائل ہونے چاہئیں۔ جس کی مسند وراثت پر وہ بیٹھا ہوا ہے اگرچہ رسول ﷺ اور نائب رسول ﷺ میں محاسن کے اعتبار سے ایک اور لاکھ کی نسبت ہو۔ گو ذرے اور پہاڑ کی نسبت ہو' مگر نیابت اور وراثت کا تقاضا ہے کہ اسی کے نقش قدم پر چلے۔ فرماتے ہیں یزکیکم۔ وہ تمہارا تزکیہ کرے' وہ تمہاری روح کی سیاہیوں کو دھو ڈالے۔ وہ تمہارے بدن کو مانجے۔ اس کے پاس بیٹھنے سے بہیمیت مغلوب ہو' آدمی کی جو درندوں کی صفات ہیں' چوپایوں کی صفات ہیں وہ مغلوب ہو جائیں اور ملکیت غالب آ جائے۔ اس کے پاس بیٹھنے سے آدمی اللہ کے قریب ہونے لگے' دنیا کے دھندوں اور دنیا کے کاموں کی محبت مغلوب ہونے لگے۔ فرمایا۔ یزکیکم تمہارے دلوں کی سیاہیوں کو دھوتا ہے۔ وہ تم پر ملکیت کو غالب کرتا ہے۔ یہ ایک نشانی بتائی۔ وہ تم پر فیضان نازل کرتا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے کہا کہ کسی مجلس میں جانے سے اگر آدمی کا دو چار مہینوں میں تزکیہ نہ ہو تو اس کو دوسری مجلس اختیار کرنی چاہئے اور شیخ کو محبت سے رخصت کرنا چاہئے کہ تمہیں مجھ سے طبعی مناسبت نہ تھی اس لئے مجھ سے تمہیں کوئی طبعی فائدہ نہ پہنچ سکا۔ اس میں کوئی جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا معاملہ ہوا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واضح طور پر کہہ دیا

انک لن تستطیع معی صبرا ------ آپ کا رنگ دوسرا ہے میرا دوسرا ہم دونوں نہیں چل سکیں گے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کہہ سکتے ہیں کہ ھذا فراق بینی وبینک ----- تو کس کا مقام ہے کہ کسی کو کہے تم میرے ہاں ہی آیا کرو۔

حضور ﷺ نے فرمایا الارواح جنود مجندۃ ----- دیکھو روحیں جو ہیں لشکروں کی صورت میں پیدا ہوتی ہیں "ما تعارف منھا" جس کی آپس میں طبعی مناسبت ہوتی ہے "ائتلف" ----- ان کی آپس میں محبت ہو جاتی ہے' اتحاد ہو جاتا ہے' جن کی آپس میں مناسبت نہیں ہوتی انہیں آپس میں اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔

شیخ وہ ہے کہ انسان اس کے پاس بیٹھے تو کم از کم ان لمحوں میں اسے خدا یاد آئے۔ یہ نہیں ہوتا ہے کہ دو چار دن ہی میں سب باتوں کا پتہ چل جائے۔ اگر آدمی کی روح بیمار ہے تو ان باتوں کا پتہ چلنے میں کچھ

مدت لگ جاتی ہے۔

پھر فرمایا۔ یعلمکم الکتاب والحکمہ ---- کہ شیخ ایسے آدمی کو پکڑو جو تمہیں تعلیم قرآن دے۔ اس کے پاس بیٹھنے سے قرآن کی معرفت حاصل ہو' دین کا فہم پیدا ہو۔ اپنے تجربے کی بناپر عرض کر رہا ہوں۔ یہ دور بہت انحطاط کا دور ہے ایسا شیخ جو بیک وقت روحانی تزکیہ بھی کرے' کتاب کی تعلیم بھی دے' حدیث کی تعلیم بھی دے' فقہ کی تعلیم بھی دے اور استنباط' استشہاد اور استخراج کا فہم بھی عطا کرے اس دور میں عنقا ہو گیا ہے۔ بعض لوگ بیٹھے رہتے ہیں کہ ایسا آدمی ملے جس میں بیک وقت یہ تمام محاسن اکٹھے ہوں۔ یہ بھی غلطی ہے یہ بہت انحطاط کا دور ہے۔ اکثر حالتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ تجوید قرآن کہیں سے سیکھنی پڑتی ہے۔ تزکیہ روحانی کے لئے الگ شیخ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ مجھے یاد ہے نوجوانی میں میں ادب پڑھتا تھا' فلسفہ پڑھتا تھا' دین کی کتابیں کم پڑھتا تھا' مجھ پر جب اللہ نے کرم کیا اور اس کے راستے پر چلنے کا شوق جی میں پیدا ہوا تو میں بہت دیر منتظر رہا کہ کوئی آدمی مل جائے جو تزکیہ بھی کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم بھی دے۔ میں نے حضرت والد علیہ الرحمہ سے ذکر کیا کہ میں ایسے شیخ کی تلاش میں ہوں تو انہوں نے فرمایا ابوبکر! تم غلطی کر رہے ہو' تمہیں ایسا آدمی نہیں ملے گا۔ مختلف دروازوں سے جاکر بھیک مانگو۔ یہ قحط الرجال کا زمانہ ہے۔ جسے تزکیہ کی حقیقت معلوم ہے وہ علم تفسیر اور علم حدیث سے ناآشنا ہے۔ جو علم تفسیر و حدیث جانتا ہے وہ روحانی تربیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ انحطاط کا دور ہے دوستو! وہ آدمی بڑا خوش قسمت ہے جس کو ایسا آدمی مل جائے جو قرآن سکھائے' دین کا فہم عطا کرے' ذکر کے اسباق بھی دے' جس کے پاس بیٹھنے سے فیضان الٰہی کی حقیقت بھی سمجھ میں آئے۔

قرآن مجید میں کہیں تزکیہ کا ذکر پہلے ہے اور تعلیم کتاب و حکمت کا بعد میں اور کہیں کتاب و حکمت کا ذکر پہلے ہے اور تزکیہ کا بعد میں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کبھی تعلیم کتاب و حکمت پہلے ہوتی ہے اور تزکیہ بعد میں ہوتا ہے۔ کبھی تزکیہ پہلے ہوتا ہے اور تعلیم کتاب و حکمت کی توفیق بعد میں ہوتی ہے اور کبھی دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہ تین صورتیں ہیں۔ ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت سالک کو پیش آتی ہے۔ جیسا کہ بعض اکابر مشائخ نے مجھ سے فرمایا کہ اس دور میں بہترین صورت یہی ہے کہ تزکیہ اور کتاب و حکمت کی تعلیم کو ساتھ ساتھ چلایا جائے۔ یہ دور اس قدر الحاد' زندقت' اور مادیت کا دور ہے کہ اگر کتاب و حکمت کی تعلیم تزکیہ روحانی کے بغیر حاصل کی جائے تو طالب علم کے لئے گمراہی کا شدید خطرہ ہے اس لئے بزرگوں نے کہا اس دور میں ظلمت کا غلبہ ہے اس لئے ذکر کے اسباق اور کتاب و حکمت کی تعلیم ساتھ ساتھ ہونی چاہئے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں۔ فاذکرونی اذکرکم --- ذکر کا لفظ بہت جامع استعمال فرمایا۔ جیسا

کہ حدیث میں آتا ہے مسلم شریف میں ہے "افضل الکلام اربع۔ سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر۔۔۔ سب سے افضل ذکر کے کلمات یہ چار ہیں۔ مسند امام احمدؒ میں حدیث یوں ہے۔

"افضل الکلام بعد القرآن اربع" یعنی قرآن مجید کے بعد یہ چار ذکر افضل ہیں۔ یہ روایت بڑی اہم ہے۔ لا الہ الا اللہ۔ افضل الذکر ہے۔ پھر قرآن مجید میں ہی فرمایا۔ اقم الصلوۃ لذکری نماز میرے ذکر کے لئے قائم کرو۔ نماز ذکر کی بہترین صورت ہے۔ قرآن مجید میں ہے اذا نودی للصلوہ من یوم الجمعہ فاسعوا الی ذکر اللہ "جب تمہیں جمعہ کے روز نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکتے ہوئے چلے آؤ۔ نماز کو ذکر اللہ کہا" قرآن کو "الذکر" فرمایا۔ "انا نحن نزلنا الذکر" "ہم نے اس ذکر کو نازل کیا پس تسبیح و تحمید، تہلیل اور تکبیر بھی ذکر الہی ہے، نماز بھی ذکر ہے، قرآن مجید کی تلاوت بھی ذکر ہے اور "فاذکرونی" میں یہ سب کچھ شامل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں اس راستے میں جب تک نفس فنا نہیں ہوتا "لا الہ الا اللہ" کا ذکر بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ لا الہ الا اللہ کے ورد کی کثرت سے سلوک کی منازل تیزی سے طے ہوتی ہیں۔ جب نفس فنا ہو جائے تو نماز (نوافل کی بات کر رہا ہوں، فرض اور سنتیں تو کسی حالت میں نہیں چھوڑی جا سکتیں) اور قرآن مجید کی تلاوت سے قرب کی منزلیں تیزی سے طے ہوتی ہیں۔ حضرت مجددؒ نے مکتوبات میں فرمایا

"غایت مقامات العابدین حقیقت الصلوۃ" عابدین کے مقامات کی انتہا نماز میں فنا ہونا ہے، نماز ذکر کی

PURRIFIEDFORM

ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں شروع میں فائدہ لا الہ الا اللہ کے ذکر سے ہوتا ہے جب نفس فنا ہونے لگے تو اس وقت نوافل سے فائدہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت سے فائدہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید افضل الکلام ہے اس لئے کہ کلام الہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس میں فنا ہونے سے اللہ کا قرب اور وصل حاصل ہوتا ہے۔ اس راستے میں جب آدمی پڑتا ہے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب تک انسان کے نفس پر نفسانیت کا غلبہ ہوتا ہے قرآن آدمی کو بدمزہ معلوم ہوتا ہے آدمی زبان سے نہیں کہتا مگر اسے پڑھتے ہوئے اسے لذت نہیں آتی، لذت اس لئے نہیں آتی کہ کلام غیر جنس ہے طبعی مناسبت نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ نفسانیت کا غلبہ ہو، نورانیت اور صفت الہی سے مناسبت نہ ہو تو تلاوت سے انسان کو لطف نہیں آ سکتا۔ جب اسے طبعی مناسبت ہو جاتی ہے تو پھر کلام الہی کے علاوہ کوئی چیز اسے اچھی نہیں لگتی۔ بزرگوں کے حالات میں اکثر لکھا ہوتا ہے کہ آخری عمر میں سماع حضرت نے چھوڑ دیا۔ اور ان کو قرآن مجید کے سوا ہر آواز کوے کی کائیں کائیں معلوم ہوتی تھی۔

حضرت مجدد صاحبؒ نے "لا یمسہ الا المطھرون" کی عجب تشریح فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قرآن کو صرف وہی لوگ مس کرتے ہیں جنہیں پاک کر دیا گیا ہو سے مراد یہ ہے کہ جن کو نفسانیت سے پاک کر دیا گیا ہے وہی قرآن مجید کے انوار کو لمس کر سکتے ہیں۔۔۔۔ فرمایا۔۔۔۔۔ "فاذکرونی" ۔۔۔۔۔ میرا ذکر کرو اس طریق سے۔ لا الہ الا اللہ' سبحان اللہ' الحمد للہ' اللہ اکبر کا ذکر کرو۔ جب حالت بہتر ہو تو قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پر توجہ زیادہ صرف کرو۔

پھر فرماتے ہیں" واشکرولی ولا تکفرون "میرا شکر ادا کرو دیکھئے "ذکر" کے ساتھ اکثر شکر کا لفظ آیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ دعا مانگتے تھے۔

رب اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک

اے میرے پروردگار! میری مدد فرما کہ میں تیرا ذکر کروں اور تیرا شکر کروں اور تیری عبادت حسن سلیقہ سے کروں۔ یہاں بھی دیکھئے ذکر اور شکر ساتھ ساتھ آئے ہیں گویا حسن عبادت' شکر اور ذکر کے یکجا ہونے سے عبارت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ذکر اور شکر کا آپس میں ایک تعلق ہے۔

قرآن مجید میں ہے

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون پیدا تمہیں اس لئے کیا کہ تم میری بندگی کرو۔۔۔ اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ میری زبان تیرے نام سے ہل رہی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو گالیاں دیتے پھرتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جن کو تیرا نام لینا نصیب نہیں ہوتا۔ صبح سے رات تک خرافات میں لگے رہتے ہیں۔ شطرنج کھیلتے ہیں' کتنے بوڑھے ہیں جن کو آپ دیکھتے ہیں کہ گلی میں بیٹھے تاش کھیلتے رہتے ہیں اور اللہ کا نام لینا انہیں نصیب نہیں ہوتا اور نہ انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ موت ان کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ انسان بڑا کم ظرف ہے۔ چند روز ذکر کرتا ہے تو سمجھتا ہے اس نے بڑا تیر مارا ہے۔ سمجھتا ہے میں ولی ہو گیا' قطب ہونے لگا ہوں۔ یہ اس کی نالائقی ہے کہ ساری عمر غفلت میں رہا اور چند روز ذکر کرتا ہے تو اس کی چال بدلنے لگتی ہے' ظرف چھلکنے لگتا ہے اور جی میں خیال آنے لگتا ہے کہ اتنے روز سے ذکر کر رہا ہوں مجھے کشف کیوں نہیں ہوتا' مجھ سے کرامتوں کا ظہور کیوں نہیں ہوتا' مجھ پر انوار کیوں نہیں وارد ہو رہے؟ آدمی ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اس راستے کی ابجد ہوز یہ ہے کہ اس راستے میں جو کچھ بھی میسر آئے اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور کہے تیرا شکر ہے کہ تو نے اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ معنی ہیں "واشکرولی" کے یہ نہ کہے کہ میں مجلس ذکر میں جاتا ہوں' مجھے تو کچھ فائدہ نہیں ہوا یہ تھوڑا فائدہ ہے کہ مجلس ذکر میں چل کر جانے کی توفیق ہوئی اور یہ وقت اللہ کی یاد میں بسر ہوا۔ فرمایا "واشکرولی" ۔۔۔۔۔

جو لوگ فیصلے نہیں دیتے" یہ سب لوگ نافرمان اور فاسق ہیں" کیا یہاں تضاد داری ہے آپ ذرا وضاحت کیجئے؟

"یہ ان کو سنانا پڑے گا فاولئک ھم الظالمون" کی تمام آیتیں ہمیں یہ سنانا پڑے گی فاولئک ھم الکافرون ـــ یہی لوگ ہیں جو کفر کرتے رہتے ہیں۔ مبلغ کو چاہیے کہ پورے کے پورے معاشرے کے سامنے رکھ دے۔ حتیٰ کہ اپنے چچا کے خلاف آیت نازل ہوئی تو وہ بھی سنانی پڑی تبت یدا ابی لھب وتب ـــ کہ ابولہب ہلاک ہوا۔ جن آیتوں میں اپنی ذات پر گرفت ہوئی وہ بھی سنائیں۔ عبس وتولی ان جاءہ الاعمی "تیوری چڑھائی اور رخ پھیر لیا کہ ایک اندھا آپ ﷺ کی مجلس میں آ گیا۔ مبلغ کو وہ آیتیں جو اپنے خلاف ہیں وہ بھی سنانی پڑتی ہیں دو حقا مبلغ کو چاہیے کہ وہ واشگاف طور پر دنیا سے کہہ دے کہ حجت اور سند حضور علیہ السلام کا ہی قول و عمل ہے اپنے نقائص اور عیب کو جائز قرار دینے کے لئے قرآن کی آیتوں میں تحریف نہ کرے۔ واضح طور پر کہہ دے کہ میرے ذاتی نقص کی بنا پر مسئلے کی نوعیت تو نہیں بدل سکتی۔ مبلغ کی بڑی کٹھن ڈیوٹی ہے کہ وہ تمام پورے معاشرے کے سامنے رکھے۔ یتلوا علیکم ایاتنا یہ نہ کرے کہ ان آیتوں کو چھپا جائے جن کے سنانے سے گرفت کا خطرہ ہو یا یہ خدشہ ہو کہ پتھر پڑیں گے یا جیل جانا پڑے گا قرآن مجید نے یہودیوں کی مذمت میں کہا تھا تکتمون الحق وانتم تعلمون کہ تم جانتے بوجھتے ہوئے حق کو چھپاتے ہو۔

آگے ذکر فرماتے ہیں یزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب تک جذبات کی تطہیر نہ ہو جائے جب تک جذبات منجھ نہ جائیں اس وقت تک ذہنی انقلاب کوئی چیز نہیں۔

یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ جذبات انسان کے اندر ایک بہت بڑی قوت ہے اور انسانی عقل شدت کے ساتھ اس سے متاثر ہوتی ہے' عقل موروثی خصائص سے بھی متاثر ہوتی ہے۔ اقتصادی اور سماجی عوامل سے بھی متاثر ہوتی ہے۔ جذبات و احساسات سے بھی متاثر ہوتی ہے اور عین اس وقت جب کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ میری عقل ٹھنڈی منطق COLD LOGIC کی بنیادوں پر نتیجہ مرتب کر رہی ہے' جذبات چور دروازے سے داخل ہو کر عقل کو متاثر کر رہے ہوتے ہیں اور اس کے فیصلے میں جذبات کی آمیزش ہو جاتی ہے۔

جذبات کا ایک طوفان ہوتا ہے جو عقل پر چھا جاتا ہے اور عقل ان جذبات کی حق میں دلیلیں گھڑنے لگتی ہے۔ عقل بیچاری تو جذبات کے ہر جھونکے کے ساتھ بہہ جاتی ہے۔ ہمارے کتنے بھائی ہیں جن کا ذہن مانتا ہے کہ شراب بری چیز ہے اس کے باوجود ہر شام جم خانے کھنچے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ جیسے مد میں کتا

ہے۔

توبہ تو کر چکا ہوں مگر پھر بھی اے عدم
تھوڑا سا زہر لا کہ طبیعت اداس ہے

شراب کو زہر کہتے ہیں اور اس کے باوجود پیتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جن کے ذہن مانتے ہیں کہ

دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا

اس کے باوجود کوچہ یار میں سر کے بل جاتے ہیں اور کتنے ہیں کہ جن کی عقل یہ کہتی ہے کہ سود حرام ہے' سود ایک لعنت ہے مگر اسکے باوجود ان کا پورا کاروبار سود میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ اس کی عقل تو سود کو لعنت قرار دیتی ہے' دوسرے لفظوں میں یہ کہیے کہ ذہنی انقلاب تو اس کے اندر آچکا ہے مگر اس کے باوجود وہ سود خواری میں ڈوبا ہوا ہے اس لئے کہ جذبات کی تطہیر نہیں ہوئی پس خیر و شر کا علم حاصل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جذبات کی تطہیر کی جائے۔ یہی معنی ہیں یزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمہ کے۔

یہ جو قرآن نے بار بار یزکیکم کا لفظ استعمال کیا اس کے معنی یہی ہیں کہ ان کی صحبت سے تم پر اللہ کی رحمت وارد ہوتی ہے جس سے جذبات دھلتے ہیں اور جذبات دھلنے کے بعد تمہاری عقل میں کتاب اللہ ڈالتے ہیں۔ اگر برتن گندہ ہو اور اس میں قرآن ڈال دیں تو قرآن بھی جب باہر آتا ہے تو گندگی سے آلودہ ہوتا ہے' وہ آلودگی ہمارے نفس کی ہوتی ہے' قرآن کی نہیں ہوتی' اس آیت میں یہ بہت بڑی حقیقت بتائی گئی ہے کہ جذبات کی تطہیر کے بغیر تعلیم کتاب و حکمت ناقص ہے۔ اس لئے جب "معلمکم"۔ کہا پہلے یہ کہا یزکیکم۔۔۔ کہ وہ تمہاری تطہیر کرتے ہیں' برتن مانجھتے ہیں پھر اس میں قرآن کا نور ڈالتے ہیں۔ یہ جتنی آج کل کی درسگاہیں ہیں ان میں تعلیم کا انتظام تو بہت ہے' تزکیہ کا کوئی انتظام نہیں' یہی وجہ ہے کہ ہمارا مولوی ضمیر بیچتا ہے' ایمان بیچتا ہے (معذرت چاہتا ہوں) اس کا معاشرے میں کوئی مقام نہیں۔ اگر اس کا تزکیہ ہوا ہوتا تو اس کی روش قلندرانہ ہوتی۔ اس کو کسی کا خوف نہ ہوتا۔ وہ وقت کے فرعونوں سے ہرگز نہ ڈرتا۔ یہ تو ایسی پست سطح پر چلا گیا ہے کہ ایک عام آدمی بھی اس پہ ترس کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کو اپنی قدروں کا کچھ احساس نہیں ہے' اس کو اپنے ضمیر اور ایمان کا کوئی خیال نہیں' اس کی وجہ یہی ہے کہ یزکیکم۔۔ کا حصہ ہم نے حذف کر دیا۔

ایک اور بات جو آیت کو پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سمجھائی وہ یہ ہے کہ "یزکیکم" کا لفظ زکوۃ سے نکلا ہے۔ جیسا کہ امام راغب" اصفہانی نے "المفردات" میں لکھا ہے "الزکوۃ ۔۔ النمو۔۔ زکوۃ کا معنی

بڑھنا اور پھلنا پھولنا ہے۔ تو تزکیہ کا معنی یہ ہے کسی کو پروان چڑھانا۔ کسی کی نشوونما کرنا۔ دوستو! یہ بات بھی اسی آیت سے مستنبط ہوتی ہے کہ شیخ کسی کی استعداد کو نہیں بدل سکتا وہ صرف اس کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے تصوف کا۔

میں چند لفظوں میں عرض کرتا ہوں۔ یہ کہیں نہیں لکھا تیس پاروں میں کہ پیغمبران کی استعداد کو بدل دیتا ہے۔ ہر شخص کی اپنی ایک استعداد ہے۔ ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ سے لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ تو بعد میں مسلمان ہوا اور یہ اتنا آگے نکل گیا۔ میں بہت پرانا مسلمان ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔۔۔ خيارکم فی الجاهليه خيارکم فی الاسلام ۔۔ الناس کالمعادن، معادن الذهب والفضته "بھئی اس میں میرا کیا قصور ہے مختلف لوگ ہیں ان کی مثال کانوں کی سی ہے کوئی سونے کی کان ہے، کوئی چاندی کی کان ہے، اپنی اپنی استعداد ہے، صلاحیتیں ہیں جن کے مطابق تم آگے بڑھے ہو۔ یاد رکھئے قرآن کے تیس پاروں میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ کسی نبی نے یا ولی نے کسی انسان کی استعداد کو بدل دیا ہو۔ یہ سنت اللہ کے منافی ہے۔ بات سیدھی اور صاف ہے، ذہنی استعداد ہر شخص کی محدود ہے۔

ایک شخص جو ذہین نہیں ہے معلم اسے تعلیم دینے سے ذہین نہیں کر سکتا۔ یاد رکھئے اسی طرح ہر انسان کی ایک روحانی استعداد ہوتی ہے اس روحانی استعداد کو شیخ نہیں بدل سکتا، شیخ کا کام یہ ہوتا ہے کہ جتنی اس کے اندر صلاحیت ہے اسے بروئے کار لائے، اس کی نشوونما کرے۔ یہ کام ہوتا ہے شیخ کا اور یہی کام پیغمبر کرتے رہے، اسی لئے لفظ جو استعمال فرمایا وہ یزکیکم ۔۔ فرمایا۔۔ کہ پروان چڑھاتے ہیں، نشوونما کرتے ہیں، صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔

مبلغ یا شیخ یا مسند وارث نبوت کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ قرآن کا فہم حاصل کرے، مگر آپ دیکھیں گے کہ اس ساری آیت میں افاضہ (دوسرں تک فیضان پہنچانا) پر زور دیا گیا ہے۔ آیتوں کو سمجھ کر معاشرے تک ان آیتوں کو پہنچانا، خود انوار کا مہبط بن کر فیضان کو دوسروں تک پہنچانا اور تزکیہ کرنا ہے اور خود کتاب اللہ کو اس کی تعلیم دینا ہے۔

بعض لوگ خود بہت صالح ہوتے ہیں مگر ان کی نسبت متعدی نہیں ہوتی، دوسروں تک ان کا فیض نہیں پہنچ سکتا۔ بعض لوگ خود بڑے عالم ہوتے ہیں مگر اس علم کو دوسروں تک پہنچانا، افاضہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ میں نے بعض علماء دیکھے ہیں جو علم کے دریا تھے مگر ان کے طلباء منتیں کرتے تھے کہ ان سے ہمیں نجات دلائیے۔ ان کی کوئی بات ہمارے پلے نہیں پڑتی۔

یہ میں نے مشائخ میں بھی دیکھا۔ بعض لوگ بڑے نیک ہیں ان کی نسبت میں لزوم ہے، اپنے تک

محدود ہے' متعدی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کی نسبت میں لزوم ہوتا ہے' تعدیہ نہیں ہوتا۔ وہ شیخ بننے کے قابل نہیں ہوتے۔ شیخ وہ ہے جو فیض آگے پہنچا سکے۔ میں نے بعض مشائخ دیکھے جو اگرچہ تصوف کے ابتدائی اسباق سے آگے نہ جا سکے تھے۔ مگر ان اسباق کا فیض انہوں نے بے تحاشا پہنچایا اور بعض لوگ بھی دیکھے کہ خود تو منتہی تھے۔ مگر نسبت متعدی نہ تھی اس لئے وہ دوسروں کو فیض نہ پہنچا سکے۔

پھر فرماتے ہیں۔ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون

بعض مجلسیں ایسی ہوتی ہیں جہاں ایسی معرفت حاصل ہوتی ہے جو پہلے حاصل نہیں ہوتی ایسی مجلس نعمت غیر مترقبہ ہے۔

ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون ---- جو تم نہیں جانتے تھے وہ معرفت عطا فرماتے ہیں۔ تو داعی الی اللہ کا کام یہ ہے کہ قرآن کے تمیں پارے معاشرے کو سنائے' ان کا روحانی تزکیہ کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ یہ کام تو ہوا شیخ کا۔ آگے فرماتے ہیں کہ طالب کیا کرے۔

یا ایہا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ

اے ایمان والو' تم بھی جم کر کام کرو' یاد رکھو شیخ تنہا کچھ نہیں کر سکے گا

استعینوا بالصبر طالب کو بھی چاہئے کہ جم کر کام کرے اور صبر و ضبط سے کام لے۔ شیخ تزکیہ کرتے ہوئے بھی جراحی کا عمل کرتا ہے وہ مثلاً ڈاکٹر جب نشتر لگاتا ہے ہم اس کو دعا دیتے ہیں کہ تم نے کرم کیا اندھے آدمی کو جب اس کا شیخ نشتر لگاتا ہے تو گالی دیتا ہے کہ تم نے یہ کیا کیا؟

قرآن مجید دیکھئے خود اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو ارشاد فرما رہے ہیں۔ قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان آپ ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میرے پاس آکر اپنے ایمان کا احسان مت جتایا کرو' تم نے کوئی مجھ پر احسان نہیں کیا اگر تم نے اسلام کو قبول کیا ہے خدا کے احسان کو مانو' تم اس کے مرہون منت ہو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا کی ہے' یہ نشتر ہے' یہ جراحی کا عمل ہو رہا ہے' بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جراحی نہیں ہونی چاہئے۔ بھئی آپ ڈاکٹری میں سے سرجری کو نکال دیں ہم طب روحانی میں سے اس جراحی کو نکال دیتے ہیں۔ یہ تو سنت اللہ ہے جو طب جسمانی اور طب روحانی دونوں میں یکساں جاری ہے اور اس سے بڑی جراحی کیا ہو سکتی ہے۔ سرداران قریش بیٹھے ہیں اور آپ ان سے فرما رہے ہیں لا تمنوا علی اسلامکم ---- "اپنے

اسلام کا احسان مجھ پر مت جتایا کرو۔ دوستو! اس راستے میں مار کھانی پڑتی ہے۔ جب تو کیا ہو صبر کرو۔ قرآن کی تعلیم سے صبر حاصل کرو، کبھی انوار کا نزول نہ ہو تو بھی صبر کرو، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے آدمی بے کیف بیٹھا ہے، اس وقت طالب کہے ذکر تو اللہ تیرے لئے ہی کرتا ہوں، اس لئے نہیں کرتا کہ چٹخارہ آتا ہے، وہ تو لذت پرستی ہوئی، وہ بھی بت پرستی ہوئی، صبر سے کام لو انوار نازل ہوں یا نہ ہوں، کیسے بلیغ لفظ فرمائے استعینوا بالصبر والصلوۃ صبر اور نماز سے قرب کی منازل طے کرنے میں مدد حاصل کرو۔ یاد رکھئے شریعت اور طریقت دونوں کی انتہا نماز ہے۔ یہ بڑی چیز ہے، نماز ساری عبادتوں کا جوہر ہے۔ نماز کے اندر تسبیح، تحمید اور تمجید بھی ہے اور نماز کے اندر دعا بھی ہے، نماز کے اندر روزہ بھی ہے کہ روزہ میں آپ کھاتے پیتے نہیں ہیں، اختلاط نہیں کرتے ہیں۔ کیا روزے کی تمام برکات شامل نہیں ہیں نماز میں؟ نماز میں حج بھی ہے۔ فول وجهك شطر المسجد الحرام۔ مسجد حرام کی طرف رخ کرو، دل بیت اللہ میں اٹکا ہوتا ہے۔ نماز میں قرآن کی تلاوت بھی ہے۔ جتنا ہم اللہ کا شکر ادا کریں کم ہے۔ ایسی نماز چونکہ حضور ﷺ کی جوتیوں کے صدقے میں مل گئی ہے اس لئے ہم نے اس کی قدر نہیں کی، ذکر، شکر اور صبران سب باتوں کا ذکر کرنے کے بعد نماز کی تلقین کی۔ فرمایا واستعینوا بالصبر والصلوۃ

ذکر کی انتہا بھی نماز ہے، شکر کی انتہاء بھی نماز ہے

بات یہاں آکر ختم ہوئی، ان اللہ مع الصابرین

یقیناً" جم کر کام کرنے والوں کو اللہ کی معیت حاصل ہو جاتی ہے۔ شیخ اور طالب صبر و ضبط کے ساتھ اس پروگرام پر عمل کریں، تو فرماتے ہیں کہ میرے قرب کی تمام منزلیں حاصل ہو جائیں گی۔ کتنا مکمل پروگرام دے دیا۔ (ماخوذ۔ تقاریر و خطابات

کلوننگ کی تاریخ

ذاکر حسن نعمانی

کلوننگ کا آغاز 1950ء میں ہوا۔ 1952ء میں ایک زندہ مینڈک پیدا کرنے میں کامیابی ہوئی تھی۔ طریقہ اس کا یہ اختیار کیا گیا کہ مینڈک کے انڈے سے اس کا اپنا مرکزہ نکال دیا گیا اور اس کے اندر کسی دوسرے مینڈک کی آنت کے خلیے میں سے مرکزہ نکال کر پہلے مینڈک کے انڈے میں ڈال دیا گیا۔ نمو کے سارے مراحل طے کرتا ہوا یہ انڈا ایک مکمل مینڈک میں تبدیل ہو گیا۔ 1980ء کی دھائی میں کچھ مزید کامیابی حاصل ہوئی ایک بالغ مینڈک کے خون کے سرخ خلیوں سے مینڈک کے بچے پیدا کر لئے۔ لیکن جب مینڈک کے بچوں کی زندگی ابتدائی مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہونے لگی تو وہ سب کے سب مر گئے۔ مینڈک کے بعد تیس سال تک بھیڑوں اور گائے کے بچوں پر تجربات کئے گئے۔ اب خلیوں سے کلوننگ کی کوشش میں کامیابی ہو چکی ہے۔ چنانچہ اسکاٹ لینڈ کے ڈاکٹر ولمٹ نے 22 فروری 1997ء میں بھیڑ کا کلون تیار کیا جس کا نام ڈولی رکھا۔ ڈولی پارٹن ایک مشہور اداکارہ کا نام ہے

کلون کا معنی

ترجمہ:۔ جنسی اختلاط کے بغیر جاندار کا ایسے جاندار سے پیدا ہونا جو جنسی ملاپ سے پیدا ہوا ہو اس کلون کا پیرنٹ ایک ہوتا ہے یعنی والدین میں سے ایک (بحوالہ Congse,U.K Chambers

(

کلون کا ترجمہ! بعض لوگوں نے کلون کا ترجمہ ہم شکل کیا ہے جو صحیح نہیں کلون (Parent One) کو کہتے ہیں چونکہ ماں باپ دونوں بچے کے لئے اصل ہوتے ہیں لیکن کلوننگ میں اصل ایک ہوتا ہے اس لحاظ سے کلون کو "یک اصل" کہنا مناسب ہو گا۔ کلوننگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے اصل کے بالکل مشابہ ہوتا ہے اس لئے بعض نے اس کا ترجمہ ہم شکل کر دیا۔

کلوننگ کی حقیقت

گذشتہ دو سال سے عربی، اردو اور انگریزی رسالوں اور اخبارات میں کلوننگ کی بحث چھڑی

ہوئی ہے اس کی حقیقت مجھے انگریزی رسالے "ٹائم" شمارہ مارچ 1997ء میں ملی جو پیش خدمت ہے

اس عمل کے پانچ مرحلے ہیں

☆ پہلا مرحلہ

ایک بھیڑ کے رحم سے سیل (خلیہ) لیا گیا اور اس کو کم غذائیت والے محلول (MEDIUM) میں رکھا گیا جس کے نتیجے میں خلیے نے اپنی افزائش اور تقسیم کا عمل روک دیا۔

☆ دوسرا مرحلہ

ایسا بیضا جس کے ساتھ ابھی تک نر جرثومہ کا ملاپ نہ ہوا ہو (اس کو غیر بار آور بیضہ کہہ سکتے ہیں) یہ بیضہ ایک ایسی بھیڑ سے لیا گیا جو پہلی بھیڑ سے شکل میں مختلف تھی دوسرے مرحلے کی اس بھیڑ کے ساتھ لکھا ہے۔ کالے چہرے والی بھیڑ اس بیضہ سے جنسیاتی مادہ DNA + NUCLEUS نکال لیا گیا۔ اسی طرح یہ خلیہ اپنے تقسیم کے عمل سے رک گیا لیکن اس کا وجود قائم رہا۔

☆ تیسرا مرحلہ

مندرجہ بالا خلیات کو ایک دوسرے کے قریب لایا گیا اور بجلی کے خفیف جھٹکوں سے ان کا ملاپ کرایا گیا جس کے نتیجے میں حاصل شدہ خلیے نے افزائش کا عمل شروع کر دیا۔

☆ چوتھا مرحلہ

چھ دن کے بعد ان خلیات کی افزائش کے نتیجے میں بننے والے وجود کو ایک تیسری بھیڑ جو پہلی دونوں بھیڑوں سے مختلف تھی کی رحم میں منتقل کر دیا گیا اور اس نے ایک عام حمل کی طرح افزائش کا عمل شروع کر دیا۔

☆ پانچواں مرحلہ

حمل کی مدت پوری ہونے پر اس بھیڑ نے ایک مادہ بھیڑ کو جنم دیا جو مشکل میں اس بھیڑ کے مشابہ تھی جس سے پہلے مرحلے میں خلیہ حاصل کیا گیا تھا جس کو MATERIAL DONER GENETIC کہتے ہیں یعنی تناسل کا مواد فراہم کرنے والی۔

اس طرح 277 تجربات کئے گے جن میں 29 کامیاب ہوئے صرف 29 EMBRYOS (جنین) پیدا ہوئے پھر ان میں صرف ایک EMBRYO چھ دن تک زندہ رہا جس سے مطلوبہ بچہ پیدا ہوا جس کا نام ڈولی رکھا اور اس کا خلیہ چھ سال پرانا تھا۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی اور کلوننگ میں فرق

☆ ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں نر اور مادہ کے خلیوں کے ملاپ سے جاندار جنم لیتا ہے جب کہ کلوننگ میں صرف نر یا صرف مادہ کے خلیے کو استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں خلیے کو نطفے سے حاصل کیا جاتا ہے جب کہ کلوننگ میں خلیہ بدن کے کسی بھی حصہ سے لیا جا سکتا ہے۔

☆ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے لئے جو خلیہ حاصل کیا جاتا ہے اس میں کروموسوم کی تعداد نصف ہوتی ہے جب کہ کلوننگ کے خلیہ میں کروموسوم کی تعداد پوری ہوتی ہے۔

☆ ٹیسٹ ٹیوب بے بی میں ماں باپ دونوں کی خصوصیات ہوتی ہیں جب کہ کلوننگ سے پیدا کئے گئے بچے میں صرف ONE PARENT یعنی ایک اصل کے خصوصیات ہوں گے اور اپنے ایک اصل کے بالکل مشابہ ہو گا۔

کلوننگ کی قسمیں

اس کی تین قسمیں ہیں (1) انسانی کلوننگ (2) حیوانی کلوننگ (3) نباتاتی کلوننگ

حیوانات اور نباتات میں کلوننگ کے کچھ فوائد ہو سکتے ہیں مثلاً" مضبوط اور صحت مند حیوانات میں اضافہ کرنا کیونکہ بہت سے جانور بار برداری وغیرہ کے کام آتے ہیں۔ اسی طرح پودوں کی تعداد بڑھائی جا سکتی ہے۔ پھلوں کی اقسام بڑھائی جا سکتی ہیں کسی جانور اور پودے کے کلون کے نقصانات بھی ہو سکتے ہیں کلوننگ سے پیدا شدہ حیوانات مختلف امراض کا شکار ہوتے ہیں۔ ڈولی کے بارے میں بھی ماہرین کا یہی خیال ہے۔ ممکن ہے حیوانی کلوننگ میں کوئی ایسا جانور تیار ہو جائے جو آؤٹ آف کنٹرول ہو۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ کلون شدہ حیوانات کے گوشت اور دودھ کا ذائقہ اصلی جانوروں کی طرح ہو۔ سب لوگ جانتے ہیں کی فارمی مرغی کا گوشت اور انڈے کتنے بے ذائقہ ہیں۔ دیسی مرغی اور انڈے کا بڑا ذائقہ ہوتا ہے۔ اسی طرح کلون شدہ پودوں کے پھلوں کا ذائقہ

بھی بدل سکتا ہے اگر حیوانی اور نباتاتی کلوننگ عام ہوئی تو اصلی حیوان اور پودے بہت کم رہ جائیں گے جس طرح آج کل ہر طرف فارمی مرغی اور انڈے ہیں لوگ اصل ذائقوں کو ترستے رہ گئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کلوننگ کے مشکل عمل سے گزرنے کے بعد گوشت، دودھ اور پھلوں کی قیمت اتنی بڑھ جائے کہ لوگوں کی قوت خرید جواب دے جائے۔

انسانی کلوننگ کے نظائر

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے یعنی بغیر جنسی ملاپ کے پیدا کیا۔ اسی طرح بی بی حوا کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا ان کی پیدائش میں بھی جنسی اختلاط کا دخل نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔ صرف ماں تھی آپ بھی جنسی اختلاط کے بغیر پیدا ہوئے ہیں۔

کلوننگ اور عقیدہ

بعض لوگوں کو تشویش ہے کہ انسانی کلوننگ کیسے تیار ہو سکتی ہے یہ تو تخلیقی عمل ہے۔ کیا اسکاٹ لینڈ کے ڈاکٹر ولمٹ اور اس کی ٹیم نے کوئی تخلیقی کارنامہ سرانجام دیا ہے حالانکہ غیر اللہ کبھی بھی خالق نہیں ہو سکتا۔ اس کے بارے میں صرف اتنی بات ذہن میں رکھیں کہ یہ سب کچھ سلسلہ اسباب کے تحت ہوا ہے۔ خالق صرف اللہ ہیں۔ جس طرح دنیا میں مختلف چیزوں کے مختلف اسباب ہیں اسی طرح کلوننگ بھی کلون کی تیاری کے لئے ایک سبب ہے یہ خلق نہیں۔ امام راغب اصفہانی خلق کا معنی بیان کرتے ہیں۔ الخلق التقدیر المستقیم ویستعمل فی ابداع الشی من غیر اصل ولا احتذا خلق کا معنی ہی صحیح اندازہ لگانا۔ اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں کسی چیز کو بغیر مادہ اور ڈیزائن (مثال) کے بنایا جائے جس کی پہلی کوئی نظیر نہ ہو۔ یہ اللہ کا فضل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا له (سورہ الحج آیت نمبر73) وہ ایک مکھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے۔

سائنس کی حقیقت

سائنس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء ہیں۔ سائنس ہر چیز کے خواص معلوم کر کے جوڑ توڑ کے عمل کے ساتھ ایک خاص نتیجہ تک پہنچنا چاہتی ہے کبھی تجربہ ناکام ہو جاتا ہے کبھی کامیاب۔

یہ ایک مصنوعی عمل ہوتا ہے نہ کہ تخلیقی۔ سائنس سے مرعوب لوگ سائنسی علم اور نتیجہ دیکھ کر تعجب کے ساتھ سائنس دانوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کی ذات کن فیکون کی مالک ہے اگر اس کی انوکھی تخلیقات کے بارے میں غور و فکر کرتے تو اس کی خلاقیت اور قدرت کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے۔ اگر ہم صرف اتنا سوچ لیں کہ سائنس دان کے دماغ کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو اس طرح بھی اللہ کی خلاقیت کا یقین مزید مضبوط ہو جاتا ہے جب کسی لیبارٹری میں H_2O کے فارمولے کے ساتھ پانی تیار ہو تو اس کے اجزاء آکسیجن اور ہائیڈروجن کہاں سے آئے۔ معلوم ہوا کہ یقیناً" ہر شے کا خالق اللہ ہے۔ اسی لئے ارشاد ہے اللہ خلق کل شی (الزمر/62) اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا

اب اگر کوئی سائنس دان کسی حیوان یا انسان کے خلیات سے کلون تیار کرے تو یہ ممکن ہے لیکن اس کو خلق نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ خلیہ سائنس دان نہیں بناتا بلکہ خلیات کا خالق اللہ ہے

کلون اور تصور گناہ

دنیا کے تمام انسانوں میں نیکی اور گناہ کا تصور موجود ہے نیکی اور بدی کے اندر امتیاز کے مختلف عوامل ہو سکتے ہیں ہم مسلمانوں کو تو شریعت نے نیکی اور بدی کے بارے میں واضح طور پر تصور دیا ہے۔ جہاں آسمانی مذہب منسوخ نہیں یا منسوخ مذہب ہے وہ لوگ بھی نیکی اور بدی میں تمیز کرتے ہیں۔ یورپ میں بالکلیہ جنسی آزادی ہے لیکن شادی شدہ عورت کے لئے زنا منع ہے۔ اس لئے کہ خاوند کے حق کا ضیاع ہے کبھی نیکی اور بدی میں عقلاً" فرق کرتے ہیں۔ عقل کسی چیز کو اچھا اور کسی کو برا سمجھتی ہے۔ کبھی اخلاقی طور پر نیکی اور بدی کا فرق کرتے ہیں۔ عقل کسی چیز کو اچھا اور کسی کو برا سمجھتی ہے۔ کبھی اخلاقی طور پر نیکی اور بدی کا فرق کرتے ہیں کبھی معاشرتی طور پر بعض باتیں اچھی یا بری ہوتی ہیں نیکی اور بدی کا صحیح فلسفہ اللہ کو معلوم ہے جو حکیم علی الاطلاق ہے۔ اجمالی طور پر ہم اتنا جانتے ہیں کہ ہر گناہ انسانیت کے حق میں دنیا و آخرت کے اعتبار سے مضر ہے اور بعض گناہوں میں حکمتیں اور فوائد بھی ہیں۔ مثلاً" چوری ایک گناہ ہے چوری کا بالفعل وجود ہو یا نہ ہو لوگ مضبوط آہنی دروازے 'گیٹ' کنڈیاں اور تالے بنا رہے ہیں۔ لوہار اور بڑھئی کو حلال کاروبار ہاتھ آگیا۔ چور کو سزا دینے کے لئے جیل اور پولیس وجود میں آگئی چوکیدار کو نوکری مل گئی۔ ان حکمتوں اور فوائد کا یہ

مطلب ہر گز نہیں لیا جا سکتا کہ چوری جائز ہے۔ اسی طرح جینیاتی انجینئرنگ طب کا ایک وسیع شعبہ ہے جس کے فوائد بھی ہیں اور کلوننگ اس کا ایک حصہ ہے۔ ممکن ہے انسانی کلوننگ کے کچھ فوائد ہوں۔ مثلاً کسی بڑے اور اہم شخصیت کے کلون تیار کئے جائیں یا کسی کو وارث مل جائے ان کے گمان کے مطابق یا مرنے والا ہمیشہ کلون کی شکل میں زندہ رہے۔ مرنے والے کو مرحوم کہنا مشکل ہو جائے گویا مرحوم قیامت تک زندہ ہے یا کلون کے ذریعے ملک و ملت کو کوئی قابل شخص مل جائے پھر بھی انسانی کلوننگ کو جواز کے دائرے میں جگہ دینا مشکل ہے جیسا کہ نقصانات کے ذکر میں یہ بات سامنے آئے گی اگر معمولی معمولی فوائد کی وجہ سے کسی چیز کو جائز قرار دیا جائے' تو میرا خیال ہے کہ ناجائز امور کا دائرہ بالکل ختم ہو کر رہ جائے گا۔ دنیا کی ہر چیز' قول اور فعل وغیرہ جائز ہو جائے گا ایکسیڈنٹ سے بچنے کے لئے کتنے سخت قوانین ہیں۔ قواعد اور ضوابط کے مطابق گاڑی چلانا ہو گی۔ لیکن تصادم کے فوائد دیکھیں تصادم کے نتیجے میں زخمی یا مردہ کو کوئی گاڑی میں لے جائے تو اس کا مالی فائدہ ہوا' دوائی بیچنے والی کی دوائیاں بک گئیں' ڈاکٹر کو تنخواہ مل گئی۔ ان فوائد کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر کوئی مضمون لکھے کہ ڈرائیونگ کے تمام قوانین کو بیک جنبش قلم منسوخ کر دیا جائے تو ساری دنیا یکدم اس مضمون نگار کے خلاف ہو جائے گی۔

کلوننگ کے مفاسد

1۔ کلوننگ فطری سلسلہ توالد و تناسل کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نسل انسانی کو ماں باپ کے جنسی اختلاط کے ذریعے آگے بڑھاتے ہیں۔ میاں بیوی میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ ماں باپ کے دلوں میں اولاد کی محبت ڈال دی پیار و محبت کا یہ کارواں قیامت کی طرف کشاں کشاں رواں ہے انسانی کلوننگ اس محبت بھرے کاروان کی ضد ہے۔

2۔ انسانی کلوننگ کے ساتھ وراثت کا قانون بالکل درہم برہم ہو جائے گا۔ یورپ والے کلوننگ کے بغیر بھی وراثت کے بارے میں پریشان ہیں۔ ماں باپ' بھائی بہن اور دیگر رشتوں کا پتہ نہیں چلتا کون کس کا باپ ہے اور کون کس کا بیٹا اور میراث کی تقسیم بھی ضروری ہے حمل کا بوجھ' جننے کا بوجھ عورت برداشت کرے گی اور بچہ کو خلیہ عطیہ کرنے والا حاصل کرے گا۔ یہ عورت مفت کا بوجھ کبھی بھی برداشت نہیں کرے گی۔ بلکہ اس نے کے لئے حمل اور وضع کا بوجھ برداشت

کرنے والی عورت منہ مانگی قیمت وصول کرے گی۔ کلوننگ میں بچہ اس کا ہو گا جس نے سیل کا عطیہ دیا ہے۔ اگر عورت کا خلیہ ہے تو بچہ عورت کا ہو گا۔ اگر سیل کا عطیہ مرد نے دیا ہے تو بچہ مرد کا ہو گا۔ پیدا ہونے والا بچہ مادر یا پدر آزاد پیدا ہو گا یک اصل ہونے کی وجہ سے ایک اصل کی محبت سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دوسرے انسان سے ہر لحاظ سے مختلف پیدا کیا ہے۔ ان اختلافات میں نمایاں اختلاف رنگوں کا ہے۔ کالے رنگ والوں مین سے ہر کالے رنگ کا دوسرے کالے سے مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح گورے رنگوں میں بھی اختلاف ہے افریقہ کے حبشیوں میں عام لوگوں کو فرق کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن خود ان لوگوں کے لئے فرق آسان ہوتا ہے۔ بھیڑوں کے ریوڑ میں تمام بھیڑیں ایک جیسی ہوتی ہیں لیکن گڈریا ہر ایک بھیڑ کو پہچانتا ہے بلکہ الگ الگ نام رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ واختلاف السنتکم والوانکم "اور تمہارے لب و لہجے اور رنگوں کا الگ الگ ہونا (سورہ الروم / 22) ان رنگوں کے اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی پہچان آسان ہوتی ہے اگر ایک انسان کے سو کلون بنائے گئے تو پہچان مشکل ہو جائے گی۔

3۔ شکل و صورت اور رنگ کے اختلاف کی وجہ سے مجرموں کو پہچاننا آسان ہوتا ہے آج کل اگر مجرم روپوش ہو جائے تو اخبار میں اس کا خاکہ یا تصویر آتی ہے تاکہ مجرم کی نشاندہی میں لوگ حکومت کے ساتھ تعاون کریں۔ اگر دس آدمی بیک وقت اپنے سو سو کلون تیار کریں تو ایک ہزار کلون بن جائیں گے ایک آدمی کے سو کلون میں سے کسی نے جرم کیا تو جرم کی نشاندہی مشکل ہو جائے گی۔ جس کی وجہ سے جرائم میں اضافہ ہو گا۔ اکثر مجرم لوگ جرائم بھیس بدل کر کرتے ہیں کلوننگ سے تیار شدہ انسان کو بھیس بدل کر جرم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کو معلوم ہو گا کہ میری گرفتاری بڑی مشکل ہے۔ جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ ہو گا۔ نہ بھیس بدلے گا نہ روپوش ہو گا نہ مفرور بنے گا بلکہ سب کے سامنے دندناتا پھرے گا اور کوئی اس کو پہچان نہ سکے گا۔ اگر ایک مجرم کے ساتھ بنی ہوئی تمام فوٹو کاپیوں کو سزا دی جائے تو یہ انصاف نہیں۔ دو جڑواں ہم شکل بھائیوں میں ایک جرم کرے تو مجرم بھائی کی گرفتاری مشکل ہو جاتی ہے۔ کلون شدہ بچوں میں بھی یہی مشکل پیش آئے گی۔

4۔ انسانی کلوننگ تغیر لخلق اللہ ہے جو ایک شیطانی فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا مرنهم فليغيرن خلق الله اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ کی بنائی صورت کو بگاڑ دیں

گے (النساء / 119) اللہ تعالیٰ جس طریقے سے اپنی حکمت بالغہ کے تحت انسان کو پیدا کر رہے ہیں۔ کلوننگ اللہ کی قدرت اور حکمت کا مقابلہ ہے بلکہ فطری توازن کو خراب کرنے کا ایک قوی ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کی صلاحیتوں کو مختلف پیدا کیا ہے کوئی ڈاکٹر بن رہا ہے، کوئی انجینئر، کوئی سائنس دان، کوئی کاریگر وغیرہ۔ ان مختلف قسم کے لوگوں کا ایک دوسرے کی طرف احتیاج ہے۔ اگر سب کی صلاحیتیں ایک جیسی ہو جائیں تو پھر کون محتاج ہو گا اور کون محتاج الیہ۔ کون تابع ہو گا اور کون متبوع، کون حاکم ہو گا اور کون محکوم، کون استاد ہو گا اور کون شاگرد، کون امیر ہو گا اور کون مامور، کون معزز ہو گا اور کون ذلیل، کون حکم دے گا اور کون تعمیل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضاسخریا ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔ (الزخرف / 32) یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سائنس دان اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے کیا عیاذا" باللہ اللہ تعالیٰ اتنے کمزور ہو گئے کہ انسانی کلوننگ کو نہیں روک سکتے۔ یقیناً" اللہ عزیز علیم اور حکیم ہیں۔ لیکن اللہ نے سلسلہ اسباب پیدا کیا ہے ہر چیز کے اندر کوئی خاصیت اور اثر ہوتا ہے مثلاً" پانی پیاس بجھاتا ہے روٹی بھوک مٹاتی ہے۔ آگ جلاتی ہے سب پر مسبب کا مرتب ہونا اس کی قدرت، حکمت اور علم کے منافی نہیں۔ مثلاً" کوئی کسی کو تھپڑ مارے تو اللہ درد پیدا کریں گے اگر تھپڑ نہ مارے تو درد پیدا نہیں کریں گے لیکن تھپڑ مارنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔ درد کی نسبت سلسلہ اسباب میں تھپڑ کی طرف صحیح ہے۔ مجرم کو اسی لئے سزا دی جاتی ہے اور درد کی نسبت سلسلہ تخلیق میں اللہ کی طرف بھی صحیح ہے۔ اسی طرح کلوننگ سے پیدا شدہ کلون کی نسبت سلسلہ اسباب میں سائنس دان کی طرف ہوتی ہے۔ کلوننگ کے نتیجے میں اللہ کلون پیدا کرتے ہیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ اظہار قدرت کے لئے سبب پر اثر مرتب ہونے نہیں دیتے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے گرم آگ گلزار بن گئی۔ کلوننگ کے ناکام تجربات بھی اظہار قدرت باری تعالیٰ ہیں۔ ہر سبب پر نتیجہ اللہ مرتب فرماتے ہیں اور ہمیں حکم دے دیا کہ جرائم کا ارتکاب نہ کرو، ہمیں حکم دیا لا تبدیل لخلق اللہ اللہ کی پیدا کی ہوئی کو نہیں بدلنا چاہئے (سورۃ الروم / 30) اگر ہم اسباب اور عقلوں کو استعمال نہ کریں تو اللہ تعالیٰ نتیجہ مرتبہ نہیں فرمائیں گے۔

5۔ انسانی کلوننگ کے جواز میں یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ایک بڑے انسان کے کلون کی وجہ

سے دنیا کو بڑا انسان ایک بار پھر مل جائے گا۔ اس طرح دنیا امام رازیؒ اور امام غزالیؒ جیسے انسانوں سے خالی نہیں رہے گی۔ ضروری نہیں کہ اچھے ذہن اور ذہانت والا انسان بڑا انسان بھی بن جائے، اس لئے کہ عالم فاضل بننے کے لئے استاد، ماحول، تربیت اور عمر چاہئے امام غزالی جیسے ذہین اور ذہانت والے انسان کو اگر امام غزالی کا استاد، ماحول تربیت اور عمر نہ ملے تو وہ ہرگز امام غزالی نہیں بن سکتا۔ ہو سکتا ہے امام غزالیؒ کا کلون جلدی مرجائے یا امام غزالی والی تربیت نہ ملی تو امام غزالی کا کلون اس کی ضد میں جائے گا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کا کلون تو تیار ہو سکتا ہے۔ لیکن شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کہاں سے لاؤ گے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کا کلون تو بن سکتا ہے۔ لیکن مولانا محمد یعقوبؒ اور مولانا امداد اللہ مہاجر مکیؒ کہاں سے لاؤ گے۔ مولانا مفتی تقی عثمانی کا کلون تو بن سکتا ہے لیکن مفتی اعظم مولانا محمد شفیع اور عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی کہاں سے لاؤ گے۔ علامہ اقبال کا کلون تو بن سکتا ہے لیکن مولوی میر حسن اور ڈاکٹر آرنلڈ کہاں سے لاؤ گے۔

6۔ کیا مالدار بے اولاد آدمی کلوننگ کے ذریعے اپنا وارث پیدا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹے اور بیٹیاں کسی کو صرف بیٹے، کسی کو صرف بیٹیاں عطا کرتا ہے اور کسی کو بے اولاد کر دیتا ہے اس خارجی دنیا میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اولاد کے حصول کے لئے جائز اور شرعی طریقہ نکاح اور جماع ہے۔ اگر بیوی بانجھ ہے یا خود بیمار ہے تو اس کا علاج کرے اگر پھر بھی بچے پیدا نہ ہوں تو گنہگار نہیں۔ صرف اس کی ایک خواہش پوری نہیں ہو رہی۔ بچے پیدا کرنا نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت اس لئے کہ بچے پیدا کرنا اللہ کا فضل ہے۔ اس میں بندہ بے بس اور بے اختیار ہے صرف نکاح اور جماع اس کے اختیار میں ہے اب اگر بچے پیدا نہیں ہوتے یا بانجھ ہیں تو کوئی گناہ لازم نہیں آتا۔ ایک قابل غور بات یہ ہے کہ آیا کسی کا کلون اس کا حقیقی بچہ ہو بھی سکتا ہے یا نہیں کیونکہ کلوننگ میں اس نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا۔ نہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی طرح اس کا نطفہ اس کی بیوی کے رحم میں ڈالا گیا۔ نہ اس کا نطفہ استعمال ہوا ہے صرف اس کے بدن کا خلیہ ہے اس کے لئے ش[illegible] بھیڑ کی کلوننگ کی طرح دو عورتوں کی ضرورت ہو تو سیل کے عطیہ دینے والے سے تو ان دو عورتوں نے بچے کی پیدائش میں زیادہ حصہ لیا ہے۔ اس لئے اس بچے پر زیادہ حق تو ان دو عورتوں کا بنتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ایک ہی بچے کے دو باپ یا دو مائیں نہیں بن سکتیں اس طرح کلوننگ کے لئے قوت مردی اور بالغ ہونا بھی شرط نہیں۔ مقطوع الذکر، عنین اور نابالغ بچہ بھی اس طرح صاحب اولاد

بن سکتا ہے حالانکہ مذکورہ افراد ہرگز باپ نہیں بن سکتے۔ بیٹا ہونے کے لئے تو ضروری ہے کہ اس کے لئے دو اصل یعنی ماں اور باپ ہوں لیکن کلون ہوتا ہی ایک اصل ہے۔ ان تفصیلات کو مدنظر رکھتے ہوئے کلون پر بیٹے کا اطلاق مشکل ہے لہٰذا کسی کا کلون وارث نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس کی میراث کا حقدار بن سکتا ہے۔

7۔ کلوننگ کے عمل سے ممکن ہے کہ آبادی میں بے تحاشا اضافہ ہو جائے۔

لوگوں کا ردعمل۔ انسانی کلون پر مغرب بھی خاموش نہیں رہا۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے ڈولی کی پیدائش کے فورا" بعد امریکی سائنس دانوں اور ماہرین کو خبردار کیا کہ حکومتی فنڈز کلوننگ پر خرچ نہ کئے جائیں۔ انسانی کلوننگ کے انتہائی گھمبیر اور خطرناک پہلوؤں کے باعث جرمنی، فرانس، ارجنٹائن اور پولینڈ سمیت ایشیا اور یورپ میں اس کی بھرپور مخالفت کی گئی اور یہ موقف اختیار کیا کہ کلوننگ سے دنیا بھر کا معاشرتی سسٹم تباہ ہو جائے گا۔ فی الحال معلوم ہوتا ہے کہ تمام حکومتیں مذہبی حلقے اور سنجیدہ قسم کے لوگ اس کے حق میں نہیں۔ مستقبل کے بارے میں اللہ جانتا ہے کہ کلوننگ کے بارے میں لوگوں کی کیا رائے ہوگی۔ فی الحال معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا اس کے عدم جواز پر متفق ہے۔

مفتی الدیار المصریہ الدکتور نصر فرید واصل کا فتویٰ

ان الاجماع قائم من الناحیہ العلمیہ والطبیہ علی استناخ البشر مرفوض - وایضا من الناحیہ الاخلاقیہ ومن الناحیہ العقلیہ ومن الناحیہ الاجتماعیہ

یعنی انسانی کلون کے عدم جواز پر علمی، طبی، اخلاقی، عقلی اور معاشرتی طور پر اجماع قائم ہے۔

واللہ اعلم بالصواب (بحوالہ - ماہنامہ العصر)

اور خوفناک انجام سے ڈرایا گیا۔ پھر بھی وہ بار بار انکار ہی کرتے رہے اور وہ صرف انکار ہی نہ کرتے بلکہ اللہ کے احکام کا مذاق اڑاتے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے رہے۔ جب اس قسم کے لوگ بغاوت پر اتر آئے الٹا پیغام پہنچانے والوں کو برا بھلا کہنے لگے اور مارنے مرنے پر آ گئے تو پھر ان حالات میں ایسے لوگوں سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا اور ان کے دلوں پر مہریں لگا دیتا ہوں اور وہ ہمیشہ گمراہی میں ہی رہیں گے اور آخر کار جہنم کا ایندھن بنیں گے"۔

اب قارئین سمجھ چکے ہوں گے کہ کس قسم کے حالات میں ایسی باتیں فرماتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں ہر وقت رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ پوری کائنات کا نظام اس کے قبضہ میں ہے اس کی قدرت میں کسی کو دخل اندازی کی مجال نہیں وہ وحدہ لاشریک سب کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اس کے کچھ اپنے اصول ہیں اور وہ اصولوں کے خلاف نہیں چلتا (وہ اصول ہمیں پیغمبر اسلام نے سمجھا دیئے ہیں) وہاں اندھیر نگری اور چوپٹ راج نہیں ہے۔ وہ منصف اعلیٰ ہے اور وہ ہمیشہ انصاف سے کام لیتا ہے۔ وہ کسی کی کوشش اور محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ حاصل گفتگو یہ ہوا کہ دنیا میں رہتے ہوئے ہر کام کے لئے ہمیں ہمت اور کوشش سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ انسان کے اختیار میں کوشش کرنا ہے۔ اس لئے اپنی پوری کوشش و سعی کے بعد نتیجہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے سپرد کر دینا چاہئے اسی کا نام توکل ہے اللہ تعالیٰ پر توکل کے بعد پھر اس کے نتائج دیکھے کہ اچھے بہتر اور خاطر خواہ حاصل ہوتے ہیں۔

یہ ہرگز جائز نہیں کہ "بندہ کام تو کچھ نہ کرے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے اللہ پر توکل کر کے بیٹھ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے فضل و برکت کا انتظار کرنے لگے۔

قسمت آزمائی اور توکل کا ہرگز یہ مطلب نہیں

مرحوم علامہ اقبالؒ توکل کی تعریف بیان کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر اس خنجر کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر

وسیع میدان ہے اور وہ اس میں اپنی سعی و عمل کے خوب گھوڑے دوڑاتے ہیں اور کامیابیاں حاصل کرتے ہیں۔ مگر کم ہمت اور کاہل لوگ ہمیشہ قسمت کو کوستے رہتے ہیں کسی شاعر نے خوب کہا ہے

اپنی قسمت کے محل کو آپ خود تیار کر
کس لئے بیٹھا ہے ناداں آج ہمت ہار کر

حسین ابن منصور حلاج ایک جگہ لکھتے ہیں

مرد حق ! برندہ چوں شمشیر باش
خود جہان خوش را تقدیر باش

اسی مفہوم کو مرحوم علامہ اقبالؒ نے یوں پیش کیا ہے

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اسلام نے ایمان کے بعد سب سے زیادہ زور عمل پر دیا ہے اور قرآن کے صفحات اس کے شاہد ہیں۔ عمل کی اس شدومد کے ساتھ تبلیغ کرنا خود بتاتا ہے کہ تقدیر کا ہرگز وہ مفہوم نہیں ہے جسے بے عمل مسلمان حرز جاں بنائے ہوئے ہیں۔

روزمرہ زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو طالب علم شبانہ روز خوب محنت کرتا ہے اور اپنا تمام وقت پڑھنے میں لگا دیتا ہے اور حصول تعلیم میں خوب دماغ سوزی اور عرق ریزی کرتا ہے وہ آخر میں شاندار کامیابیوں سے ہمکنار ہوتا اور اعلیٰ نمبر حاصل کرتا ہے۔۔۔۔ مگر وہ طالب علم جو دل لگا کر نہیں پڑھتا آوارگی اور فضولیات میں اپنا وقت صرف کرتا رہتا ہے وہ آخر میں فیل ہوتا ہے اور ناکامی کا منہ دیکھتا ہے۔

اس طرح ایک کسان ہے جو خوب محنت کر کے زمین تیار کرتا ہے وقت پر بیج بوتا ہے' فصل اگنے کے بعد خوب اس کی دیکھ بھال کرتا ہے فالتو جڑی بوٹیوں سے اپنے کھیتوں کو صاف کرتا ہے اور ضرورت کے مطابق کھاد بھی ڈالتا ہے جب برداشت کا وقت آتا ہے تو وہ دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے کہ اس کے کھیتوں سے پیداوار بہت نکلی ہے۔ یوں اس کو اپنی محنت و کاوش کا پورا پھل مل گیا۔ ایک دوسرا کسان ہے کہ کاہل اور نکما ہے نہ وقت پر اس نے بوائی

کی اور نہ وقت پر پانی دیتا ہے۔ نہ فصل کی خاص حفاظت کرتا ہے۔ آخر میں کٹائی کے موقع پر دوسروں سے آدھا پھل بھی حاصل نہیں کرپاتا۔۔۔ کیا یہ قسمت کی باتیں ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ سب کچھ اپنے عمل اور سعی و کوشش کا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح زندگی کے ہر شعبہ میں سعی و عمل کا نظام پھیلا ہوا اور ہر شخص اپنی اپنی کوشش ہمت کے مطابق اس کا پھل حاصل کر لیتا ہے۔

یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ باتوں کو اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ مثلاً" زندگی' موت' حادثات' بیماریاں وغیرہ۔ لیکن روزمرہ کے کام کاج میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سے اختیارات دے رکھے ہیں۔ جن کی بناء پر انسان خود اپنے ارادے سے اچھے یا برے کام کو پسند کرتا ہے۔

"ارمضان حجاز" میں رومی نے ایک عیسائی راہب کی زبان سے تقدیر سے متعلق مسلمانوں کے غلط عقیدہ کی بابت خوب کہا ہے

کند ہر قوم پیدا مرگ خود را

ترا تقدیر مارا کشت تدبیر

تقدیر اور قسمت کے مسئلہ کے ساتھ ہی مسئلہ جبر و اختیار بھی شامل ہے۔ اس مسئلے نے بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے اکثر فلاسفہ و صوفیا انسان کو مجبور محض مانتے ہیں حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہم اپنے اعمال و افعال اپنے اختیار سے کرتے ہیں۔ خواہش' نفرت' محبت' غصہ' ندامت' فخر و ناز وغیرہ سب جذبات ہمارے ہی ارادے سے ظاہر ہوتے ہیں تو اس سے زیادہ اور مختاری کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے عمل خیر کی تعلیم اور ترغیب دی ہے۔ اگر بندہ مجبور محض ہوتا تو ان کی کیا ضرورت تھی۔

دراصل صداقت جبر و اختیار کے بین بین ہے انسان بعض باتوں میں مجبور ہے۔ لیکن عملی زندگی میں ہر بندہ مختار ہے اس کے تمام اعمال و افعال خود اسی کے عزم و ہمت کے تحت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ امر و نہی' اطاعت و فرمانبرداری' احکامات اسی لئے حق و صداقت پر مبنی ہیں۔

ایک شاعر نے اپنے ایک شعر میں مسئلہ جبر و اختیار کو یوں بیان کیا ہے کہ عشق کرنا انسان

کے اختیار میں ہے اور وہ خوب شوق و جذبے اور جوش و خروش کے ساتھ یہ بازی کھیلتا ہے اور اپنے محبوب کی خاطر بہت سی قربانیاں بھی کرتا ہے۔ یہاں تک تو اس کے اختیار میں ہے۔ لیکن اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کے مطابق عشق میں کامیابی حاصل کر لینا اس کے بس میں نہیں ہے اور وہ ایثار کرنے کے باوجود بھی عشق میں شاہد مقصود کو نہیں پاتا اور مات کھا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اختیار کی بات ہے۔

وہ شعر کچھ یوں ہے

اختیار و جبر انساں کی یہ ہے محکم دلیل
عشق کی بازی بھی کھیلے مات بھی کھا جائے ہے

چلتے چلتے ایک یہ اشتباہ بھی دور کرتے چلیں۔ جو لوگوں کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ اس قسم کی آیات موجود ہیں۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ "ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے نہیں دیتے" یا "جسے چاہتے ہیں اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں اور پھر وہ ہدایت نہیں پا سکتا"۔ اس قسم کے مفہوم آیات قرآن میں بیشتر جگہ ملتی ہیں۔ جن کو پڑھ کر ایک عام قاری غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ یہ سمجھ لیتا ہے ہدایت دینا یا نہ دینا تو اللہ کے اختیار میں ہے پھر ہم مجبور محض ہوئے۔ پھر ہمارے لئے جہنم کیوں ؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے اگر کسی نے بڑے دینی عالم سے رجوع کیا تو عالم کے سمجھانے سے بات اس کی سمجھ میں آگئی اور اس نے حقیقت کو پالیا۔ لیکن جس نے یہ خیال کیا کہ دیکھو جی! کسی سے پوچھنے کی کیا ضرورت۔ ہم خود پڑھے لکھے ہیں۔ قرآن میں صاف لکھا ہے۔ کہ "اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جس کو نہیں چاہتا نہیں دیتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اپنے اختیار میں ہے۔ چنانچہ اگر وہ چاہے گا تو خود ہمیں ہدایت دے دے گا اگر نہ چاہے گا تو نہ سہی۔ اس طرح ہم دوزخ کے حقدار تو نہیں بن سکتے ایسے لوگ اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیتے ہیں۔ شرعی تعلیمات اور تمام اوامر و نواہی کو خیرباد کہہ کر ساری زندگی بے عملی میں گزار دیتے ہیں اور انہی حالات میں دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

اس بات کی حقیقت علماء یوں بیان کرتے ہیں کہ "وہ لوگ جن تک اللہ کے پیغمبروں یا علماء کی زبانی اسلامی تعلیمات پہنچیں اور ان کو خدائی احکامات سنائے گئے۔ لیکن انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا اور پھر ان کو بار بار اللہ کے احکامات سنائے گئے برے کاموں سے روکا گیا

نظریہ تقدیر

(ایم محمد اکرم)

قسمت سے متعلق جو تصور ہمارے عوام میں پایا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں جو کچھ قسمت میں لکھا ہوتا ہے ہماری کوششوں کا اس میں کوئی دخل نہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ اس قسم کی اندھی قسمت کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔

قسمت کے غلط افہام و تفہیم نے مسلمانوں کی تقدیر ہی بدل دی ہے۔ ہمارے علماء اور صوفیا اس کے بڑی حد تک ذمہ دار ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ اس کے مفہوم سے واقف نہ تھے۔ وہ تقدیر کے صحیح معنی ضرور جانتے تھے مگر انہوں نے جس طرح عملی طور پر اس مسئلہ کو عوام کے سامنے پیش کیا اس نے عامیوں کے دل و دماغ پر بدترین اثر ڈالا۔ جاہل قسم کے ملاؤں اور صوفیوں نے کچھ ایسے من گھڑت قسم کے واقعات لوگوں کو اپنی تقریروں اور محفلوں میں سنائے۔ مثلاً" ایک شخص بڑا نمازی اور پرہیز گار تھا ساری عمر اس نے عبادت میں گزاری مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ عبادت قبول نہ کی اور اس کو جہنم میں پھینک دیا۔ ایک دوسرا شخص جس نے کبھی نماز نہ پڑھی اور بالکل عبادت گزار نہ تھا۔ ایک کتے کے پلے کو پانی پلانے کے عوض اس کی بخشش فرمادی۔ یا ایک بدکار اور فاحشہ عورت کو بلی کے بچے کو سردی سے بچانے کے عوض جنت میں بھیج دیا گیا۔

اس قسم کی باتوں نے مسلمانوں کی عملی زندگی ختم کر کے رکھ دی اور ریار لوگوں نے صوم و صلوٰۃ اور زہد و اتقا سے بے نیاز ہو کر بلی کے بچوں اور کتے کے پلوں کی تلاش شروع کردی۔ اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اگر قسمت میں بخشش ہوگی تو کسی معمولی سی نیکی پر ہو جائے گی کون ساری عمر عبادتوں ریاضتوں میں لگا رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر کچھ پابندیاں عائد کر کے اس کو عقل، سمجھ اور شعور دے کر دنیا میں آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اور اپنے اعمال کا مختار بنا دیا ہے۔ چاہے نیکی کا راستہ اختیار کرے چاہے برائی کو پسند کرے۔ انسان دنیاوی معاملات میں مختار ہے اور اپنے اچھے یا برے اعمال کا اجر یا سزا پاتا ہے۔

صاحب ہمت لوگوں کے لئے دوڑ دھوپ، کوشش اور تگ و دو کرنے کے لئے دنیا ایک

موت کا ذائقہ

(حصہ سوم و آخری)

ایم ایچ خاں

کیا موت کی کیفیت کا حصول زندگی میں ممکن ہے؟

موت کے مناظر کو دیکھنے کا تعلق دماغ کے مخصوص حصے CORTEX سے ہے۔ اسی طرح ان ماورائی آوازوں کا تعلق TEMPORAL LOBE سے ہے۔ ماہرین اس بات کی تصدیق کر چکی ہیں کہ CORTEX کے بصری میدان کے مرکز اور TEMPORAL LOBE کے سمعی مرکز کی نمائندگی کرنے والے بہت سے سیلز ہوتے ہیں لیکن ان میں سے چند ایک ہی قابل استعمال حالت میں پائے جاتے ہیں۔ دراصل موت کے مناظر کا صحیح تجزیہ کرنے کے لئے ان سیلز کا متحرک ہونا اشد ضروری ہے۔ ماہرین کی رائے کی مطابق جن لوگوں نے بھی NDE کا تجزیہ کیا یا جو بچے یا بڑے موت کا منظر دیکھ پائے ان کے سمعی اور بصری مراکز کے نارمل سے زیادہ سیلز نے کام شروع کر دیا۔ لہٰذا اس طرح وہ موت کا مشاہدہ کر پائے۔ لیکن ماہرین نے NDE کے جتنے کیسز مطالعہ کئے ان سب میں موت کا اتفاقیہ یا اچانک مشاہدہ کیا گیا تھا۔ یعنی موت کے وقت چونکہ تمام سیلز میں سرگرمی آجاتی ہے اس لئے موت کے مناظر کا مشاہدہ بھی اسی خلیاتی ہیجان یا سرگرمی کا نتیجہ تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی ایسا طریقہ ہے جس سے زندگی میں اور ارادی طور پر مذکورہ سیلز کو قابل عمل اور متحرک کیا جا سکے؟ کیونکہ سائنسدان ان سیلز کو زندگی میں چارج کرنے سے قاصر دکھائی دیتے ہیں۔

ان سیلز کو چارج کرنے کا سب سے زریں طریقہ "مراقبہ" ہے جس کے ذریعے ماورائی و غیر مرئی دنیا اور موت کے ذائقہ و کیفیات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ صوفیائے کرام دراصل اسی مخفی صلاحیت کی بناء پر موت کا اور روحانی دنیا کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ پیرا سائیکالوجی میں ان سیلز کو متحرک کرنے کے لئے HYPNOSIS کا طریقہ خاصا مقبول ہے لیکن یہ بھی مراقبہ کی ذیلی شاخ ہے۔

جیسا کہ پچھلی سطور میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان 'سوچ کا دوسرا نام ہے اور سوچ روشنی ہے۔ اس روشنی کا ارتکاز جس مقام پر جتنا گہرا ہو وہاں اسی قدر اثر انگیزی زیادہ ہو گی۔ مراقبہ ایک ایسا عمل ہے جو سوچ کے ارتکاز کو تخلیقی خلیوں کے چارج کرنے کی جانب موڑ دیتا ہے۔ اس طرح اس صلاحیت کا حامل شخص مادی دنیا میں رہتے ہوئے نورانی دنیا کا سراغ لگا سکتا ہے۔

جس دور میں جدید ٹیکنالوجی عام نہیں تھی اس دور میں صوفیاء کرام ایسے ایسے انکشافات کرتے تھے کہ جن کو سن کر اور تحقیق کر کے موجودہ سائنسدان روحانی اسلاف کے INFORMATION SOURCE OF کی تلاش میں منہمک دکھائی دیتے ہیں کہ ان حضرات کے پاس آخر سوچ کا وہ کون سا پیمانہ تھا یا وہ کون سی نظر تھی جس سے وہ غیب بینی اور مستقبل بینی کی صلاحیت سے مالا مال ہوتے تھے۔ اس وقت صوفی ازم پر دنیا کے مختلف ممالک میں ریسرچ ہو رہی ہے۔

در حقیقت ماورائی اور نورانی دنیا کو دیکھنے اور ماحول کو محسوس کرنے کی صلاحیت ہر شخص کے اندر ہے لیکن ہر ایک سے منصہ شہود پر نہیں لا پاتا۔ اگر ہم اس صلاحیت کو بیدار کرنا چاہیں تو اس کا واحد راستہ قرآن مجید کا بیان کردہ فارمولہ "غور و فکر" ہے جسے صوفیائے عظام نے "مراقبہ" کا نام دیا ہے۔

اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ موت کی کیفیات سے زندگی میں گزرا جا سکتا ہے تو ایسے واقعات پر نگاہ ڈالتے ہیں جن میں موت کی کیفیات و واردات کو از خود طاری کیا جا سکتا ہے۔ "مناقب الحسن" کے مولف سید محمد ہاشم، سید حسن پاک کا واقعہ انہی کے الفاظ میں تحریر کرتے ہیں

"ایک رات میرے ہاتھ پاؤں سست ہونے لگے۔ جسے میں نے جسمانی عارضہ اور ناسازی طبیعت پر محمول کیا اور چارپائی پر لیٹ گیا۔ میرے تمام اعضاء سے مکھی کی بھنبھناہٹ کے مشابہہ آوازیں نکلنے لگیں (ماہرین اس حالت کو سیلز میں سے روح کے نکلنے کی آوازیں قرار دیتے ہیں) اور میری روح اس تیزی سے بدن سے نکل گئی گویا تیر کمان سے چھوڑا گیا ہو۔ میری روح میری ہی شکل میں نمودار ہوئی۔ وہ عقل شعور اور ادراک رکھتی تھی جس کے ذریعے علمی گفتگو کرنے پر قادر تھی اور دقیق دماغ فانہ نکتے حل کر سکتی تھی نیز استاد کی طرح تعلیم و تلقین کرتی تھی۔ اکیس سال تک اس نے میری تعلیم و تربیت کی۔ اس اثناء میں میری روح ہزاروں مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی رہی۔ ان صورتوں میں روح کا ادراک اور میرا ذاتی ادراک جدا گانہ تھے"

تذکرہ غوثیہ میں حضرت غوث علی شاہ قلندرؒ نے بہت دلچسپ واقعہ رقم فرمایا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں "ایک بار کلیر شریف میں مخدوم صاحب کے مزار پر سال بھر قیام کیا۔ ایک بار تمام خادمان درگاہ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے عرس میں چلے گئے اور مزار میں ہمارے اور ایک مجذوب کافر شاہ کے علاوہ کوئی نہ رہا۔ وہ (کافر شاہ عارضہ اسہال میں مبتلا تھے۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ اب میرا

آخری وقت آگیا ہے میرا بدن اور کپڑے سب ناپاک ہیں۔ میرے کپڑے تالاب پر دھلواؤ اور مجھے نہلا دو۔ ہم نے کپڑے دھو دیئے اور ان کو خوب نہلا دیا۔ بعد نماز مغرب وہ چادر تان کر لیٹ گئے اور السلام علیکم کہہ کر جاں بحق ہو گئے۔ اس زمانہ میں مزار کے کے آس پاس بہت گھنا جنگل تھا۔ ہم ان کی لاش کی نگہبانی کرتے رہے۔ جب آدھی رات گزری تو خیال آیا کہ اب اگر لاش کو تنہا چھوڑتے ہیں تو خوف ہے کہ کوئی جانور نہ کھا جائے اور نہیں جاتے تو نماز قضاء ہو جائے گی۔ ہم اسی فکر میں تھے کہ وہ مجذوب لاالہ اللہ کہہ کر اٹھ بیٹھے۔ ہم نے لاحول پڑھی اور اپنا ڈنڈا سنبھالا کہ شاید کوئی بھوت لاش کے اندر حلول کیا گیا ہے۔ مارنے کا ارادہ کیا تو وہ بھولے میاں غوث علی شاہ خبردار' میں کوئی جن بھوت نہیں بلکہ وہ کافر شاہ ہوں' تم بہت متردد تھے اس لئے میں سرکار سے دوپہر تک کی رخصت لے کر آیا ہوں۔ اب تم جاؤ نماز پڑھو' میں دو گھڑی دن چڑھے مروں گا' ہم نماز سے فارغ ہو کر ٹھیک وقت پر آپہنچے تو بولی کہ لو اب ہم جاتے ہیں۔ تم کفن دفن کی کچھ فکر نہ کرنا' پھر بھولے کہ انگوٹھوں میں سے جان نکل گئی اب ٹخنوں میں آئی' اب گھٹنوں میں' اب کمر میں' اب سینہ میں' اب حلق میں اچھا السلام علیکم تا کہہ کر رخصت ہوئے"'

کتاب "روح کہانی" کا اقتباس بھی اس سلسلے میں بہت اہم ہے۔ سعیدہ خاتون عظیمی تحریر کرتی ہیں "میں نے مراقبہ کے دوران دیکھا کہ میں بستر پر سیدھی لیٹی ہوئی ہوں جیسے یہ بستر پر سیدھی لیٹی ہوئی ہوں جیسے یہ بستر کسی ہسپتال کا بیڈ ہے۔ کمرے کے بیچوں بیچ بیڈ پر میں چت لیٹی ہوں۔ اتنے میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ ڈاکٹری کوٹ پہنے آتے ہیں۔ میرے قریب آکر کہتے ہیں آپ کو موت کے مرحلے سے گزارا جاتا ہے۔ آپ تیار ہیں؟ میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا بالکل تیار ہوں۔ آپؒ نے کمرے کے ایک کونے میں چھت سے قریب لگے ہوئے ایک اسکرین پر اشارہ کیا کہ اپنی نظریں اس اسکرین پر جمائے رکھیں آپ کو اس پورے مرحلے کا ادراک اس اسکرین پر ہو جائے گا۔ میں نے اطمینان سے اس اسکرین پر اپنی نگاہیں گاڑ دیں۔ اس اسکرین پر میں نے اپنے جسم کا باطن دیکھا میرے جسم کے اندر روشنی بھری ہوئی ہے جیسے غبارے کے اندر ہوا بھری ہوتی ہے۔ اس طرح جسم کے اندر روح کی روشنی سر سے پاؤں تک سمائی ہوئی تھی۔ مجھے یوں دکھائی دیا جیسے روح کی روشنی ہی اصل حواس ہیں۔ جسم محض ایک خول ہے جو روح کی حفاظت کے لئے ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے روح کو خول کے اندر مقید کر دیا گیا ہے۔ روح جسم کے اندر اس طرح بند ہے کہ

پاؤں کے اندر پاؤں، ہاتھ کے اندر ہاتھ، گردن کے اندر گردن۔ غرض کہ جسم کے اندر روح اس طرح سمائی ہوئی ہے جیسے جسم دکھائی دیتا ہے۔ اب قلندر بابا اولیاءؒ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے روشنی کے ایک آلے کو جسم کے پاؤں سے چھوا۔ اس آلے کے جسم کے چھوتے ہی اس کا لمس پاؤں نے محسوس کیا اور پاؤں اوپر کی جانب سمیٹ لئے مگر مادی جسم کے پاؤں اسی طرح بیڈ پر رکھے تھے۔ مجھے محسوس ہوا میرے پاؤں سے جان نکل کر اوپر کی جانب سمٹ آئی ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب پاؤں کے اندر چلنے کی سکت باقی نہیں ہے۔ روح کی وہ روشنی جو پاؤں کو چلنے کی حس فراہم کر رہی تھی اس روشنی سے جسم کے پاؤں محروم ہو چکے ہیں۔ میری نگاہ جب روح کے پاؤں کی جانب گئی تو میں نے اطمینان کا سانس لیا اور روح اس حصہ جسم کو چھوڑ کر اوپر کی جانب سمٹ آئی جیسے پھیلا ہوا شخص آہستہ آہستہ جسم کو سمیٹتا چلا جائے۔ اسی طرح روح کی پھیلی ہوئی روشنیاں بھی آہستہ آہستہ سمٹتی جاتی تھیں۔ روح جس حصہ جسم کو چھوڑتی وہ حصہ جسمانی حس سے محروم ہو جاتا۔ جب پیٹ روح کی روشنیوں سے خالی ہوا تو معدے کی مشینری بند ہو گئی۔ بھوک کا احساس بھی ختم ہو گیا۔ اس لمحے خیال آیا کہ بھوک پیاس کی حس ختم ہوئی ہے۔ اب روح کی روشنیاں دل کے مقام سے آہستہ آہستہ اوپر کی جانب سمٹیں۔ دل کی مشین جھٹکے سے بند ہو گئی۔ زندہ رہنے کی خواہش ختم ہو گئی اور اس کے ساتھ زندگی سے تعلق رکھنے والا ہر جذبہ ختم ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ میں مر گئی ہوں۔ اب میری زندگی روح ہے۔ میں جسم نہیں بلکہ روح ہوں"

موت ایک پرسکون احساس ہے

سائنسدانوں اور ماہرین کی اب تک کی تحقیق نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ موت ایک پرسکون اور فرحت آفریں احساس ہے۔ موت کے حوالے سے جو تکلیف دیکھنے میں آتی ہے اس کا تعلق حادثے یا بیماری کے محرکات سے ہوتا ہے۔ ایک شخص اگر کینسر کی تکلیف میں موت سے ہمکنار ہوا ہے تو اس کی تمام تر تکلیف کا کریڈٹ بیماری کو جاتا ہے۔ دراصل موت کی کیفیات شروع ہوتے ہی بیماری کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے اور تسکین کا ایک لاجواب تجربہ ہوتا ہے اسی لذت کی وجہ سے NDE کے کئی کیسوں میں ہم نے دیکھا کہ لوگ دوبارہ اس مادی دنیا میں واپس آنا نہیں چاہتے کیونکہ موت کی کیفیات اور پھر نورانی دنیا کے دلفریب عجائبات اس کے لئے روحانی سکون کا

ذریعہ ہوتے ہیں۔ صدیوں سے صوفیائے کرام موت کو ایک رنگین احساس اسی وجہ سے قرار دیتے آئے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں موت کے لئے "ذائقہ" کا لفظ راقم الحروف کی رائے میں مناسب ترین، موزوں یا SUITABLE WORD ہے لیکن اس آیت مبارکہ کی تشریح میں اکثر حضرات نے اس لفظ سے متعلق اس قدر تکلیف دہ، بھیانک اور خوفناک رنگ دیا ہے کہ موت کے تصور ہی سے خوف محسوس ہونے لگتا ہے۔

موت وہ لمحہ ہے جس لمحے روح کے حواس ذات خالق کے ادراک کو چھو لیتے ہیں۔ لہٰذا اس لمحے روح موت کی آواز بھی سنتی ہے اور موت کا ذائقہ بھی چکھ لیتی ہے۔ اس کے بعد ادراک کی دوسرے مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے۔ جب تک انسان کائناتی ادراک کے چھ مراحل جنہیں اللہ تعالیٰ نے چھ دن کہا ہے، ان مراحل سے گزر نہیں جاتا اور ان مراحل کی مرکزیت سے واقف نہیں ہو جاتا اس کے اندر براہ راست اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرنی کی سکت پیدا نہیں ہوتی۔ اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ اللہ کا دیدار موت سے پہلے ممکن نہیں ہے۔ لیکن مرنے سے قبل بھی موت سے گزارا جا سکتا ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

"مرجاؤ مرنے سے پہلے"

یہ حدیث مبارکہ روحانیت کے اسی مخفی سرچشمہ کی جانب اشارہ ہے جہاں موت کی کیفیت سے گزرے بغیر نہیں پہنچا جا سکتا۔ جس مقام پر آدم کے حواس ذات خالق کے ادراک سے متصل ہوتے ہیں وہ لمحہ موت کہلاتا ہے۔

موت کے بارے میں تمام تر بحث کا حاصل یہ ہے کہ موت ایک پرسکون احساس ہے اور موت کا تصور تکلیف دہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مادی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اس طرز فکر سے ان کے باطن میں اس قدر کثافت ہو جاتی ہے کہ ان کا لطیف جسم قید ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں جو تگ و دو ہوتی ہے وہ موت کی تکلیف کہلاتی ہے جب کہ پیغمبرانہ طرز فکر کے حامل لوگ موت کے شیریں ذائقہ کو ہی چکھتے ہیں۔

حالانکہ موت ذات خالق کے ادراک کا لمحہ اور GOD KEY ہے مگر مذہبی اجارہ داروں کی صدیوں سے رائج تعلیمات پر نظر ڈالیں تو موت کو صرف "سزا" کے طور پر ہی پیش کیا گیا۔

افسوسناک امر یہ ہے کہ موت کو ایک روحانی تجربہ کے طور پر سمجھنے کی بجائے محدود عقلی بنیادوں پر سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ اپنے فرسودہ خیالات کو عام کرنے میں انہوں نے ضعیف اور بے سند روایات کو لینے سے بھی گریز نہیں کیا۔ مثلاً" ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جب وصال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ تم نے موت کو کیسا پایا؟ تو انہوں نے عرض کیا "اس طرح جیسے زندہ چڑیا کو آگ پر یوں بھونا جا رہا ہو کہ نہ اس کی جان نکلتی ہو نہ اڑنی کی کوئی صورت ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایسی حالت تھی جیسے زندہ بکری کی کھال اتاری جا رہی ہو"

اس روایت پر تبصرہ کرنے سے پہلے رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔

"جب مومن کی موت آتی ہے تو وہ موت ایسی ہوتی ہے جیسے آٹے میں سے دھاگہ نکالتے ہیں اور جب دنیادار کی موت آتی ہے تو وہ موت ایسی ہوتی ہے جیسے کسی کپڑے کو بیری پر سے کھینچا جائے اور وہ چھرا چلا جائے" اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں اگر مندرجہ بالا روایت کو دیکھا جائے تو صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ دنیادار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کی شہادت سب سے بالاتر ہے۔

"اللہ مرنے کے وقت لوگوں کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔ جو مرتے نہیں ان کی نیند میں پھر جن پر موت کا حکم کرتا ہے ان کو روک لیتا ہے اور باقی روحوں کو وقت مقررہ تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ جو لوگ تفکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں" (الزمر)

اس آیت سے ظاہر ہوا کہ نیند کے وقت بھی روح قبض کر لی جاتی ہے۔ آپ ذرا نیند جائزہ لیجئے کہ آیا آپ کو نیند کے وقت تکلیف ہوتی ہے یا سرور۔ اگر ذرہ برابر بھی تکلیف ہوتی ہے تو ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ موت کے وقت بے پناہ تکلیف ہوتی ہو گی۔ دوسری صورت میں اگر نیند میں ہمیں سرور حاصل ہوتا ہے تو موت کا سرور اور ذائقہ نیند سے ہزاروں گنا زیادہ ہو گا۔

حضور پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "مرجاؤ مرنے سے پہلے"

ذرا چشم تصور سے دیکھئے کہ موت اگر ہولناک شے ہوتی ہے تو کیا کائنات میں رحمت بن کر برسنے والی رحمتہ اللعالمین ہستی دو مرتبہ اس تکلیف سے گزرنے کی ہدایت کرتی؟

اسی طرح حضور پاک ﷺ نے فرمایا "مومن موت کی تمنا کرتا ہے" اب بتایئے کہ وہ صحابہ کرامؓ جن کی رسول اللہ ﷺ نے تربیت فرمائی اگر وہ موت کے ہولناک تصورات میں گھرے

ہوتے تو کیا کئی گنا زیادہ دشمنوں سے مقابلہ کر سکتے تھے؟

پچھلی سطور میں "تذکرہ غوثیہ" سے حضرت کافر شاہؒ کے جسم سے جب روح نکل رہی تھی تو بیان کرتے جاتے تھے کہ اب انگوٹھے سے جان نکلی' اب ٹخنوں سے اب پنڈلی اور حلق سے اگر موت سخت تکلیف دہ احساس ہوتی تو حضرت کافر شاہؒ کو موت کی تکلیف ہی گفتگو میں مانع ہو جاتی اور وہ گفتگو سے معذور ہو جاتے۔ عجیب بات ہے کہ ایک شخص کو زندہ چڑیا کی مانند آگ میں بھونا جا رہا ہو اور وہ چٹخارے لے لے کر موت کی منظر کشی کر رہا ہو۔

حضرت فرید الدین عطارؒ ایک روحانی بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی توبہ کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک دن وہ کاروبار میں مصروف تھے کہ ایک مجذوب اندر آ گئے۔ انہیں مجذوب کا آنا بڑا گراں گزرا۔ مزید یہ کہ مجذوب نے ان سے ایک سوال کر ڈالا "کیا تمہیں موت آئے گی" مجذوب نے پوچھا کیسے آئے گی اب تو انہیں بہت غصہ آیا اور انہوں نے برہمی سے جواب دیا "مجھے بھی موت اسی طرح آئے گی جیسے تمہیں آئے گی" مجذوب نے حیرت سے کہا "اچھا میری طرح" اور زمین پر سیدھے سیدھے لیٹ گئے اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ "دلیل العارفین" میں لکھتے ہیں کہ میرے پیرو مرشد (حضرت معین الدین چشتیؒ) نے فرمایا "موت کے بغیر دنیا کی ذرہ برابر قیمت نہیں ہے۔ اس لئے کہ موت ایک پل ہے جسے عبور کر کے حبیب حبیب سے ملتا ہے"

حضرت حمید الدین صوفیؒ فرماتے ہیں "مرنے کے بعد روح اپنی اصل (اللہ) کی طرف لوٹتی ہے۔ اس وقت یہ اپنے مرجع کو پہچانتی اور اس کی جمیع حجابات کو جانتی ہے۔ اس کے عوائق و علائق سے واقف رہتی ہے۔ پھر اس دنیا (روحانی دنیا) کا بھیس اس میں ظاہر ہو کر اس کے شوق کا معین و مددگار ہوتا ہے۔ پھر یہ روح تمام موجودات سے بلند تر ہو کر اپنے موجد و خالق حقیقی کے سامنے پیش ہوتی ہے۔ پھر پروردگار اس کو اس کے مناسب و موافق مقام پر بھیج دیتے ہیں۔ مگر جس شخص کو مندرجہ بالا عمل کرنے کی زندگی میں توفیق ہوئی اور اسی پر اس کو موت آ گئی تو وہ براہ راست اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے اور وہاں کی مسرتوں سے محظوظ و ہمکنار ہوتا ہے"

حضرت حذیفہؓ کے انتقال کا وقت آیا تو فرمانے لگے کہ "یا اللہ تجھے معلوم ہے مجھے فقر غنا سے زیادہ محبوب رہا اور موت زندگی سے زیادہ مرغوب رہی۔ مجھے جلدی سے موت عطا کر دے تاکہ تجھ

سے ملوں"

صحابہ کرام اور صوفیائے عظام کے ان تمام واقعات سے طلب حق کی سچی مہک آ رہی ہے۔ وصال الہٰی کا تجسس دکھائی دے رہا ہے اور موت کے ایک حسین احساس کا اظہار ہو رہا ہے مگر روحانیت کے سرچشموں اور نور نبوت کی ضیاء پاشیوں سے معموران قدسی نفس حضرات کے کردار کو کس طرح مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجئے۔ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جب عزرائیل روح قبض کرنے آئے تو انہوں نے موت کے خوف سے ایسا طمانچہ مارا کہ عزرائیل کی آنکھ پھوٹ گئی۔۔۔۔ زبان درازی اور دشنام طرازی کی حد ہے۔

بہر حال روایت پرست چاہے کچھ بھی کہیں ہما.رے لئے قرآن' حدیث اور ارباب روحانیت مشعل راہ ہیں جن کی تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ آدمی پیغمبرانہ طرز فکر پر چلے۔ اس عمل سے اسے موت آئے گی تو وہ نہایت پر سکون میسر آ.ئے گی' دلفریب اور پر سرور ہو گی۔ موت کے خوف کو فروغ دینے میں جہاں مادیت' دہریت اور کمیونزم نے اپنا کردار ادا کیا ہے وہیں وہ بعض مذہبی اجارہ دار بھی ہیں جو تحقیق کے بجائے بے سند روایات کو ترجیح دیتے ہوئے "موت کا منظر" جیسی کتابیں شائع کر کے امت مسلمہ میں خوف و دہشت کو فروغ دے رہے ہیں۔ اب ہم ایک حدیث پر اس مضمون کا اختتام کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "میری امت پر وہ وقت آنے والا ہے جب دوسری قومیں اس پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں" کسی نے پوچھا "یا رسول اللہ ﷺ کیا اس زمانے میں ہماری تعداد اتنی کم ہو جائے گی کہ ہمیں نگل لینے کے لئے قومیں متحد ہو کر ہم پر ٹوٹ پڑیں گی؟"

ارشاد فرمایا "نہیں اس وقت تمہاری تعداد کم نہ ہو گی بلکہ تم بہت بڑی تعداد میں ہو گے البتہ تم سیلاب میں بہنے والی تنکوں کی طرح بے وزن ہو گے۔ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکل جائے گا اور تمہارے دلوں میں پست ہمتی گھر کر لے گی"

اس پر ایک آدمی نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ یہ پست ہمتی کس وجہ سے آ جائے گی؟"

نبی ﷺ نے فرمایا "اس وجہ سے کہ تم دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کرنے لگو گے"

ماں کے دودھ کی اہمیت

(ڈاکٹر ہلوک نور باقی)

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعته وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف لا تکلف نفس الا وسعها لا تضار والدة بولدها ولا مولود له بولده وعلی الوارث مثل ذلک فان ارادا فصالا عن تراض منهما وتشاور فلا جناح علیهما وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم فلا جناح علیکم اذا سلمتم ما اتیتم بالمعروف واتقوا الله واعلموا ان الله بما تعملون بصیر ○

ترجمہ۔ "جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت کا دودھ پئے تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے اسے انہیں کھانا کپڑا دینا ہو گا۔ مگر کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالنا چاہئے۔ نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا ہے اور نہ باپ ہی کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے۔ دودھ پلانے والی کا یہ حق جیسا کہ بچے کے باپ پر ہے ویسا ہی اس کے وارث پر بھی ہے۔ لیکن اگر فریقین باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر تمہارا خیال اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلوانے کا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ اس کا جو کچھ معاوضہ طے کرو وہ معروف طریقے سے ادا کرو۔ اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے" (البقرۃ آیت۔ 233)

ماں کا بچے کو اپنا دودھ پلانا خود اس کی اور بچے کی صحت کے لئے بے حد اہم چیز ہے۔ لیکن بدقسمتی سے کچھ مادہ پرست ڈاکٹر اور ڈبے کا دودھ بنانے والوں کے مشترکہ پروپیگنڈے نے ماں کے قدرتی دودھ کے خلاف ایسا زہر پھیلایا ہے کہ ماں کے دودھ کو کبھی کبھی تو تمسخر کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ مگر حالیہ سالوں میں سائنس اس بات پر مجبور ہو گئی ہے کہ وہ عالمی ادارہ صحت (WHO) کے کہنے کے مطابق اس قسم کے ہر پروپیگنڈے کو ممنوع قرار دے دے۔

اس آیت کی تشریح کے سلسلے میں حسب ذیل سوالوں کے جواب میں سائنسی نکتہ نظر سے

دوں گا۔

1۔ ماں کا دودھ بچے کو کیا دیتا ہے؟

2۔ ماں کا دودھ کتنی دفعہ اور کتنے وقفوں سے پلانا چاہئے؟

3۔ دودھ پلانے کا اثر ماں پر کیا ہوتا ہے؟

ان سوالوں کا جواب میں اسی ترتیب سے دوں گا۔

1۔ ماں کے دودھ کی فطری صفات

اب یہ عام فہم بات ہے کہ غذائیت کے لحاظ سے انسان کو تین قسم کی بنیادی خوراک لحمی فاسفورس اور وٹامنز کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب اجزاء لحمی حیاتیات (پروٹینز) شکر۔ چکنائیاں فاسفورس اور وٹامنز ماں کے دودھ میں موجود ہوتے ہیں مگر اس دودھ کا فرق یہ ہے کہ اس میں یہ اجزاء بے حد حیران کن اور نازک ترین تناسب سے مرتب شدہ ہوتے ہیں۔ اس کا زیادہ اہم راز یہ ہے کہ اس آمیزش میں چربی والے سالمے بے حد چھوٹے ذروں کی صورت میں ایک جیسے پھیلے ہوتے ہیں۔

ماں کے جسم کی حالت چاہے کیسی بھی ہو اس کا دودھ اس قدر مقوی ہوتا ہے کہ ایک ارب پتی رئیس کے کھانے کی میز کی کوئی چیز بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بطور خاص پہلے چھ مہینوں میں تو نوزائیدہ بچے کی وٹامنز کی تمام کی تمام ضروریات ماں کے دودھ میں موجود ہوتی ہیں۔ یہی سائنس تو ان والدین کی نادانی پر ہنستی نظر آتی ہے جو دوسرے مصنوعی طریقوں سے بچے کی ضروریات' بشمول وٹامن سی' پوری کرنے کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔

اب میں ماں کے دودھ کی ہوش گم کر دینے والی ایک خصوصیت بیان کروں گا۔

شروع کے چھ مہینوں میں ماں کے دودھ میں ایسی اینٹی بوڈیز (ANTIBODIES) پائی جاتی ہیں جو بچے کو چھوت چھات کی بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اس میں چیچک سے بچاؤ کی اینٹی بوڈیز اس ماں کے دودھ میں بھی ہوتی ہیں جسے خود کبھی چیچک نہ ہوئی ہو۔ حیاتیاتی طور پر یہ ایک ناقابل حل معمہ ہے۔ البتہ یہ اس حقیقت کی نشاندہی ہے کہ اللہ' انسان کو کس طرح سے عزیز رکھتا ہے اور اسے کتنی اہمیت دیتا ہے۔

کچھ ملحد اور بے دین سائنسدانوں کا یہ احمقانہ بیان ہے کہ ماں کے دودھ میں فولاد (آئرن) کی کمی ہوتی ہے۔ حالیہ سالوں میں یہ دریافت ہوا ہے کہ شروع بچپن میں خون' جگر میں ہی پیدا ہوتا

ہے (جب کہ بڑوں میں خون ہڈی کے گودے میں بنتا ہے) اور یہ کہ جب بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے اس کے جگر میں فولاد ذخیرہ شدہ ہوتا ہے۔ اس خیالی کمی کو پورا کرنے کے لئے فولاد کی حامل جو دوائیاں چھوٹے بچے کو دی جاتی ہیں وہ اسے زندگی بھر کے لئے انتڑیوں کی سوزش (ENTERITIS) کا شکار بنا دیتی ہیں۔

بیالوجی کے علم کے مطابق یہ اشد ضروری ہے کہ بچے کو شروع کے چھ مہینوں میں ماں کا دودھ ضروری طور پر دیا جائے اس لئے کہ جگر' جو عام طور پر ہاضمہ کے افعال کا مرکز ہوتا ہے اس دور میں بچے کا خون بنانے میں مشغول ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس دور میں بچہ غذائیت بڑھنے اور بڑا ہونے کے مقصد کے لئے صرف کرتا ہے نہ کہ صرف توانائی حاصل کرنے کے لئے۔ اسی وجہ سے "تقریباً" یہ ناممکن بات ہے کہ مخصوص قسم کی خوراک اور حیاتین (وٹامنز) کسی اور طرح سے حاصل کئے جا سکیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ پچاس سے زیادہ کی تعداد میں وٹامنز پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے چند وٹامنز ہی کو علم طب (میڈیسن) ابھی تک پہچان سکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قادر مطلق نے نوازئیدہ بچے کی نشوونما اپنے بے مثال اور مکمل کنٹرول کے تحت صرف دودھ ہی سے مقرر کی ہے۔ اس آسمانی نعمت کی نقل "نسبتاً" ناقص انسانی عقل کے ذریعے کرنا ہی حماقت انگیز بات ہے جیسے کوئی خلائی جنگ کو تیر کمان سے لڑنے کی کوشش کرے۔

2۔ ماں کے دودھ میں وقفے اور درکار عرصہ

بچے کے دودھ پینے پر ملحد لوگ جو پابندی لگاتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسے چار چار گھنٹوں کے بعد دودھ دیا جائے۔ ہضم کے عام وقت کو سامنے رکھ کر انہوں نے یہ تخیلاتی پابندی لگائی ہے۔ حالیہ سالوں کی ریسرچ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دودھ تو صرف 45 منٹوں میں ہضم ہو جاتا ہے۔ جب یہ وقفہ یا وقت پورا ہو جاتا ہے تو ماں کے پستانوں میں اضطراری تعلق روحانی (REFLEX TELEPPATHIC) کے ذریعے دودھ خود بخود اتر آتا ہے اور بچہ عام طور پر بھوک سے رونے لگتا ہے' یہ سب کچھ ایک طرح سے حیاتیاتی کمپیوٹری نظام ہے اور جب قدرت کے عطا کردہ اوقات کو ترک کر کے لمبے وقفے دیئے جاتے ہیں تو بچے کے پیٹ میں تیزابیت (ACID) وافر مقدار میں بن جاتی ہے جس سے اس کے نظام ہضم کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ یہ بھی اندازہ لگایا جا چکا ہے کہ آئندہ آنے والی زندگی میں اس کی وجہ سے السر (ULCERS) پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن کا عذاب پوری زندگی رہتا ہے۔

جہاں تک دودھ پلانے کے وقت یا عرصہ کا تعلق ہے۔ اس سلسلے میں علم طب (میڈیسن) نے ابھی حال ہی میں ماں کے دودھ کی اہمیت کو سمجھنا شروع کیا ہے۔ مگر اس سلسلے میں من مانا وقت تجویز کیا گیا ہے' جو صرف نو مہینے ہے۔ ماں کے دودھ پلانے کی وجہ یا منطق دو حقائق پر رکھی گئی ہے۔

(الف) جگر پہلے ہی بے حد مصروف ہوتا ہے اور ہمہ وقت خون بنانے میں لگا ہوتا ہے۔ چنانچہ دودھ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ خون بنانے کے سلسلے میں جگر کو پورے دو سال لگ جاتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اپنے اصل کام کی طرف آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ماں کا دودھ بھی دو سال کی عمر تک جاری رکھنا بے حد ضروری ہے۔

(ب) بچے کے بڑھنے کا سب سے اہم مرحلہ' جس وقت کے حیاتیاتی طور پر اشد ضرورت پڑتی ہے' پہلے دو سال کا وقت ہی ہوتا ہے۔ طبی سائنس نے بھی اس حقیقت کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ بچے کی زندگی کے پہلے دو سال اس کی نشوونما میں بے حد اہم رول ادا کرتے ہیں۔

چنانچہ اب دیکھئے کہ کس طرح اس آیت میں یہ معجزہ بیان کر دیا گیا ہے کہ ماں کا دودھ پلانے کا عرصہ دو سال ہی ہے۔

ملحدوں کی خجالت کے لئے میں یہاں ایک اور نکتے کے متعلق آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ اسلام سے پہلے بھی مشرق وسطیٰ کے معاشروں میں ماں کے دودھ پلانے کا عرصہ 4 سے 5 سال تک ہوا کرتا تھا۔

دودھ پلانے کے سلسلے میں ایک آخری نکتہ یہ ہے کہ بچپن کے زمانے کی ذہنی تکالیف اور بیماریوں سے متعلق تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اگر ایک بچہ دو سال تک اپنی ماں کا دودھ پیتا رہے تو اس کی ذہنی صحت خاصی مضبوط ہوتی ہے۔ پوری دنیا کی سطح پر مطالعہ نے ظاہر کیا ہے کہ انڈونیشا اور فلپائن میں کوئی بچہ بھی ذہنی مرض کا شکار نہیں ہوا ہے اور تحقیقات کرنے والی ریسرچ کمیٹی نے پتہ چلایا ہے کہ اس حیرت ناک حقیقت کی وجہ ان ملکوں میں بچوں کو تقریباً" دو سال تک ماں کے دودھ کا میسر رہنا ہے۔ اس کی وجہ ان بچوں میں تحفظ کا احساس اور مادری شفقت کا ملنا ہے۔

3۔ دودھ پلانے کا ماں پر اثر

(الف) سینے (پستانوں) کے غدودوں (گلینڈز) کا صحت مند عمل

پوری دنیا کے حاصل کردہ اعداد و شمار سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ان ماؤں میں جنہوں نے ایک سے دو سال تک بچے کو اپنا دودھ پلایا ہو' سینے کا کینسر شاذونادر ہی ہوتا ہے۔ مگر جن ماؤں نے بچوں کو

اپنا دودھ نہ دیا ہو ان کو اس بیماری کے لگنے کا شدید خطرہ رہتا ہے۔ صرف اسی وجہ سے ہی ایک سے دو سال تک ماں کا دودھ پلانا خود اس کے لئے کینسر سے بچاؤ کا ایک موثر ذریعہ ہو سکتا ہے۔

(ب) دودھ پلانے کے دوران ماں کے جسم کا حیات نو حاصل کرنا

دودھ پلانے والی ماؤں کا جگر پوری استعداد کے ساتھ کام کر رہا ہوتا ہے۔ اس طرح سے ماں کے جسم کے تمام کیمیاوی مسائل قدرتی طور پر زیر معائنہ رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ چونکہ اس وقت ماں کے خون میں، تمام جواہر کو یکجان یا مکس ہونا پڑتا ہے اس لئے ماں کے خلیے دودھ پلانے کے زمانے میں، تمام قسم کی کمی اور قلتوں کو پورا کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ دودھ پلانے کے وقت جسم کے پیچوٹری گلینڈ پوری طرح مستعد ہوتا ہے۔ اس کے لئے ایک عام ہارمون بھی سارے اعمال صحیح طریقے سے سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔ اس طرح ماں کی نفسیاتی کیفیات بھی بہت اچھی حالت میں ہوتی ہیں۔ ایسی ماں کے ہارمونی توازن اور ہم آہنگی اور نفسیاتی کیفیات میں سکون کا زمانہ اس کے لئے انمول تحفہ ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جسمانی تھکاوٹ کے باوجود بھی دودھ پلانے والی ماں بد مزاجی کا شکار کبھی نہیں ہوتی۔ اس کی اصل وجہ دودھ پلانے کے دوران مختلف قسم کے غدودوں (گلینڈز) کی رطوبتوں میں ہم آہنگی اور توازن کا پیدا ہو جانا ہے۔

یہ اس ہارمونی توازن کی برکت ہے کہ دودھ پلانے والی ماں کے رحم (WOMB) اور بیضہ دان (OVARIES) کو آرام و سکون کا وقفہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ وقفہ دودھ پلانے کے وقت کے برابر نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ماں کے جنسی اعضاء کو کم از کم دو سے چھ ماہ کا جو آرام میسر آ جاتا ہے وہ بھی ایک بہت بڑی نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اسی دوران ماں کے رحم اور بیضہ دانی کی عام قسم کی تکلیفیں بھی رفع ہو جاتی ہیں۔ دودھ پلانے میں دو سالوں کا عرصہ مثالی دور ہوتا ہے جس سے ایک ماں پورا پورا فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

ماؤں اور بچوں کے خلاف ملحدانہ میڈیسن نے جو جرائم کئے ہیں۔ اور جس طرح ہتک آمیز اور غلط علاج معالجے کئے ہیں وہ انتہائی طور پر شرمناک ہیں اور طب کی تاریخ پر سیاہ دھبے ہیں۔

ایک دودھ پلانے والی ماں صحت مند ہوتی ہے اور اس کا دودھ پینے والے بچے کو پوری زندگی صحت مند رہنے کی ضمانت مل جاتی ہے۔ یہ انعامات بھی خود قرآن کا ایک عظیم معجزہ ہے۔

نبی آخر الزماں ﷺ کی صداقت (ویدوں سے ثابت)

(مولانا شمس نوید عثمانی)

اولین صحائف موجود ہیں

اولین صحائف کا دنیا میں آج بھی وجود ہے اس پر قرآن کی مندرجہ ذیل آیت دلیل ہے۔

ترجمہ "اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی غیر معمولی ثبوت کیوں نہیں لاتا اور کیا ان کے پاس صحائف اولیٰ میں جو کچھ بھی ہے (اس کی شکل میں) واضح دلیل نہیں آ گئی؟" (سورہ طٰہٰ۔133)

یہ آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ اولین صحیفے یا آدگرنتھ غائب نہیں ہو گئے بلکہ دنیا میں آج بھی موجود ہیں بلکہ اس بات کو تو قرآن دلیل اور معجزے کے طور پر پیش کر رہا ہے کہ ہزاروں سال گذر جانے کے بعد بھی اولین صحائف میں وہ تعلیمات موجود ہیں جن کے مجموعے کی شکل میں قرآن عظیم سب سے آخر میں نازل ہوا۔ اولین صحیفوں کے دنیا میں موجود ہونے کے لئے جو ثبوت طلب کرتے ہیں ان کے لئے اس آیت میں باری تعالیٰ نے ایک خاموش چیلنج پیش کیا ہے۔

"قرآنی دلیل چاہتے ہو؟ اللہ کے الفاظ میں ثبوت طلب کر رہے ہو؟ اولین صحائف آدگرنتھ کو اٹھا کر تو دیکھو ہمارا ثبوت' ہمارا معجزہ' ہماری دلیل تمہارے سامنے آجائے گی"۔

اس آیت کا جو مفہوم آج تک سمجھا جاتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ پچھلے صحائف میں جتنی بھی تعلیمات تھیں جتنے بھی مضامین تھے ان کے عطر کی شکل میں تمام کتابوں کا مجموعہ قرآن ہمارے پاس آگیا ہے' اور یہ نبی امی ﷺ کا اللہ کی طرف سے معجزہ ہے۔ بے شک یہ مفہوم بھی اس آیت کا ہے لیکن کیا اس میں بھی وہی چیلنج واضح طور پر آپ کو محسوس نہیں ہو رہا؟ جب تک پچھلے تمام صحائف میں کیا تھا۔ یہ آپ کو نہیں معلوم ہوتا معجزے کا یہ رخ کیسے ثابت ہو گا؟ یہ کیسے معلوم ہو گا کہ قرآن ان سب مضامین کا مجموعہ ہے۔

یہ تھی قرآن میں پچھلے صحائف کی اصل تعلیمات تلاش کرنے کی تاکید اور اس تاکید کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں ناپید نہیں ہیں۔

وید ہی اولین صحائف ہیں

صحف اولیٰ کے الفاظ بہت جامع الفاظ ہیں ان میں عمومیت بھی ہے اور خصوصیت بھی۔ تمام پچھلے صحیفے بھی اس کے مفہوم میں داخل ہیں اور سب سے پہلے صحیفے بھی۔ قرآن خاص طور سے نام لے کر جن پچھلے صحائف کا ذکر کرتا ہے وہ صحف ابراہیم، توریت، زبور اور انجیل ہیں۔ یہ تمام کتابیں وہ ہیں جن سے اہل عرب واقف تھے۔

حضرت نوح علیہ اسلام، سیلاب کے واقعات، ان کی قوم کے حالات اور ان کے صحائف کو قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب نہیں جانتے تھے۔ اس کے ثبوت میں خود قرآن حکیم کی سورہ ہود میں حضرت نوح اور طوفان نوح علیہ السلام کے واقعے کو بیان کرنے کے بعد اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد ہے۔

ترجمہ۔ "یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم" (سورہ ہود 49)

بہرحال قرآن نے اپنے مخصوص طرز بیان میں جن نبیوں کی کتابوں سے اس وقت کے قرآن کے مخاطب واقف تھے۔ ان کا نام ان الفاظ میں لیا کہ وہ لوگ آسانی سے پہچان لیں۔ لیکن ان سے پہلی کتابوں کا ذکر بھی چھوڑا نہیں۔ اس کے لئے ایسے جامع اور ذو معنی الفاظ استعمال فرمائے جو صرف اللہ رب العزت ہی کی خصوصی شان ہے۔ صحف اولیٰ اور زبر الاولین کے الفاظ سے اس دور کے لوگوں کو بھی کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ کیوں کہ ان سے وہی تمام صحائف وہ مراد لیتے رہے جن کو وہ جانتے تھے اور انہی الفاظ نے مصابیح الاسلام کے مصنف گنگا پرشاد اپادھیائے کو بھی بتا دیا کہ قرآن میں تمہاری کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے اس میں ادگرنتھ یعنی اولین صحائف کا ذکر ہے۔ ہماری حکمت سے تم یہ کیوں امید رکھتے ہو کہ دنیا کی بڑی بڑی قوموں کے جن پیشواؤں (حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ) کا ہم نے ایک ساتھ نام لیا ہے ان میں سب کی کتابوں کے نام تو بتائے لیکن تمہارے پیشوا (حضرت) نوح علیہ السلام ہی کی کتاب کا ذکر قرآن میں نہیں کیا"

اب آیئے زبر الاولین کے الفاظ پر غور کریں۔ قرآن بتاتا ہے "بے شک زبر الاولین میں یہ (قرآن) ہے" (سورہ شعراء 196)

زبر کے لفظی معنی ہیں بکھرے ہوئے اوراق۔ زبر الاولین کا مطلب ہوا "سب سے پہلے والے بکھرے ہوئے اوراق" سب سے پہلے صاحب شریعت رسول حضرت نوح علیہ السلام تھے۔

ہندو حضرت نوح علیہ السلام کی امت ہیں۔ وہ اپنی مقدس کتابوں ویدوں کے آدگیان یعنی اولین علم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ویدوں کی تاریخ (جو مختصراً آپ کی نظر سے گذر چکی) پر نظر ڈالنے سے سب سے "پرانے بکھرے ہوئے اوراق" کی تعریف ان پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

آیئے اب ایک اور رخ سے دیکھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ وما ارسلنک من قبلک الا رجالا الیھم فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ○ بالبینت والزبر ۃ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون

ترجمہ۔ "اور آپ ﷺ سے قبل بھی ہم نے مرد (ہی) بھیجے تھے جن پر ہم وحی کرتے تھے۔ اگر تم کو نہیں معلوم تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔ ان کو ہم نے بینات اور زبر کے ساتھ بھیجا تھا" (سورہ نحل 43-44)

یہاں اور دوسرے معانی کے ساتھ ایک لطیف اشارہ یہ بھی چھپا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں۔ وہ کچھ بینات تھیں اور کچھ زبر۔ یعنی زبر اور بینات مختلف قسم کے صحیفے ہیں۔ بینات کے معنی ہیں۔ "جن میں صاف صاف سمجھ میں آنے والے الفاظ میں بیانات ہوں" بینات سے مختلف قسم کیا ہوئی؟ جن میں تمثیلی انداز میں واقعات کا بیان ہو۔ رگ وید میں کہا گیا ہے کہ میں واقعات کو حمد کے پیرائے میں تمثیلی زبان میں بیان کرتا ہوں۔

ویدک علم کو ہم دیکھیں تو وہ زبر کی اس تعریف پر بھی پورے اترتے ہیں اور ان کے اولین ہونے میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔

ویدوں کے صحف اولیٰ یا زبر الاولین ہونے اور حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق ہونے کا ایک آخری عقلی ثبوت یہ ہے کہ پرانوں اور ہندوؤں کی دیگر مذہبی کتابوں میں تو بہت سے انبیاء علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ پیشین گوئیاں ملتی ہیں لیکن ویدوں میں انبیاء میں سے صرف آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرے ملتے ہیں۔ آسمانوں کے رسول اول ہونے کی حیثیت سے حضرت احمد ﷺ کی تفصیلات ملتی ہیں یا پھر ان کے علاوہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی پیشین گوئیاں ملتی ہیں۔ رسول آخر الزماں ﷺ کی پیشین گوئیاں تو ہر مقدس صحیفے میں ہیں۔ ان کے علاوہ انبیاء میں سے حضرت نوح علیہ السلام سے آگے کسی نبی کا بیان نہ پایا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ وید نہ تو نوح علیہ السلام سے پہلے کے صحیفے ہیں اور نہ ان کے دور کے بعد کے ویدوں کو کتب

الہٰی یا کتب مقدسہ تسلیم کیے جاسکنے میں جو اشکال ہمارے خیال میں پیدا ہو سکتے تھے۔ وہ ہم سمجھتے ہیں کہ اب باقی نہیں رہ گئے ہوں گے۔ خود ویدوں کے مضامین' وید پڑھنے والے چند مسلمان علماء کے خیالات اور سب سے بڑھ کر قرآن عظیم کی نشاندہی کے بعد اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ یہ کلام ربانی کے حصے ہیں۔

وید اور دیگر ہندو مذہبی کتب

ہندو عقیدے کے مطابق ویدوں کو خدا کا کلام مانا جاتا ہے۔ جس کے کسی لفظ میں تبدیلی ان کے نزدیک جائز نہیں ہے اور دوسری مذہبی کتابیں جیسے پران' براہمن' اپنشد اور آرنیک اسمرتیاں وغیرہ کو ویدوں کی تفسیر مانا جاتا ہے۔ ان تمام کتابوں کے الفاظ براہ راست خدا سے منسوب نہیں ہیں بلکہ ان کا صرف مفہوم خدا کی طرف سے مانا جاتا ہے۔ یہ مختلف رشیوں سے منسوب تسلیم کی جاتی ہیں اور ان کے الفاظ اگر ایسے بدل جائیں کہ مفہوم نہ بدلے تو کوئی حرج نہیں مانا جاتا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے قرآن اور حدیث کا باہمی تقابل

کلیان پدم پران انک میں یہ بات اس طرح کہی گئی ہے

"خدا کے اپنے الفاظ کو کوئی بولنے والا ویسے ہی مطلب والے دوسرے الفاظ سے بدل نہیں سکتا۔ اگر بدلے تو اسے خدا کے الفاظ نہیں کہا جائے گا۔ اس قاعدے کے مطابق وید کے الفاظ خدا کے الفاظ ہی ہیں۔۔۔ یہی نہیں جملے میں الفاظ کی ترتیب بھی نہیں بدلی جاسکتی پران نیک لوگوں کے جملوں کی طرح ہیں۔ ان جملوں میں الفاظ بدلنے میں کوئی حرج نہیں مانا جاتا' ہاں ان کے جملوں کے مطلب میں تبدیلی نہ ہونا چاہئے۔

ہندو عالموں کا دعویٰ ہے کہ ویدوں کو یاد کرنے میں اتنی تکنیکی احتیاط برتی گئی ہے کہ وہ شروع سے بغیر تبدیلی ہوئے ویسے ہی چلے آرہے ہیں۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہزاروں سال سے حافظوں میں چلے آرہے ویدوں کو اٹھارویں صدی کے آخر میں پہلی بار میکس ملر نے کتابی شکل میں شائع کرایا۔ اگر ہم تمام تر احتیاطوں کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی حافظوں میں ویدوں کے ساتھ پرانوں اور دوسری کتابوں کے مضامین کا خلط ملط ہو جانا عین ممکن ہے۔ ویدوں کے انگریز مفسر سب اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہماری سمجھ اور تحقیق کے مطابق ویدوں اور ان تمام کتابوں میں جتنے حصے کی قرآن سے تصدیق ہوتی ہے وہ اصل ہیں۔

سجدہ سہو کا بیان

حافظ محمد یاسین

سہو کے معنی ہیں بھول جانا۔ نماز میں بھولنے سے کچھ کمی زیادتی ہو جانے سے جو خرابی آجاتی ہے اس کی تلافی کے لئے نماز کے آخری قعدے میں دو سجدے کرنا واجب ہیں۔ ان سجدوں کو سجدہ سہو کہتے ہیں۔

سجدہ سہو کا طریقہ

نماز کے آخری قعدے میں "التحیات" پڑھ لینے کے بعد داہنی جانب سلام پھیرے، اور "اللہ اکبر" کہہ کر سجدہ میں جائے، اطمینان سے سجدہ کرے، پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدے سے اٹھے، اطمینان سے بیٹھے اور پھر "اللہ اکبر" کہہ کر سجدے میں جائے اور اطمینان سے سجدہ کرے پھر "اللہ اکبر" کہہ کر سجدے سے اٹھے اور قعدے میں بیٹھ جائے، اور حسب معمول "التحیات" درود شریف اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیرے۔

وہ صورتیں جن میں سجدہ سہو واجب ہے

1۔ نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب بھولے سے چھوٹ جائے، مثلاً سورہ فاتحہ پڑھنا بھول جائے یا فاتحہ کے بعد کوئی سورت ملانا بھول جائے وغیرہ۔

2۔ کسی واجب کے ادا کرنے میں کچھ تاخیر ہو جائے، چاہے تاخیر بھولے سے ہو جائے یا کچھ سوچنے کی وجہ سے مثلاً کوئی شخص سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموش کھڑا رہے اور پھر کچھ وقفے کے بعد کوئی سورت پڑھے۔

3۔ کسی فرض کے ادا کرنے میں تاخیر ہو جائے یا کسی فرض کو مقدم کر دیا جائے مثلاً قرات کرنے کے بعد رکوع کرنے میں تاخیر ہو جائے یا کوئی رکوع سے پہلے سجدہ میں چلا جائے۔

4۔ کسی فرض کو مکرر ادا کر دیا جائے، مثلاً دو رکوع کر لئے جائیں۔

5۔ کسی واجب کی کیفیت بدل دی جائے، مثلاً سری نمازوں میں بلند آواز سے قرات کر لی جائے یا جہری نمازوں میں آہستہ قرات کر لی جائے، مثلاً ظہر و عصر میں بلند آواز قرات کر لی جائے، اور مغرب و عشاء یا فجر میں آہستہ قرات کر لی۔ (انشاء اللہ اگلے ماہ سجدہ سہو کے مسائل بیان کئے جائیں گے) (ماخوذ۔ آسان فقہ)
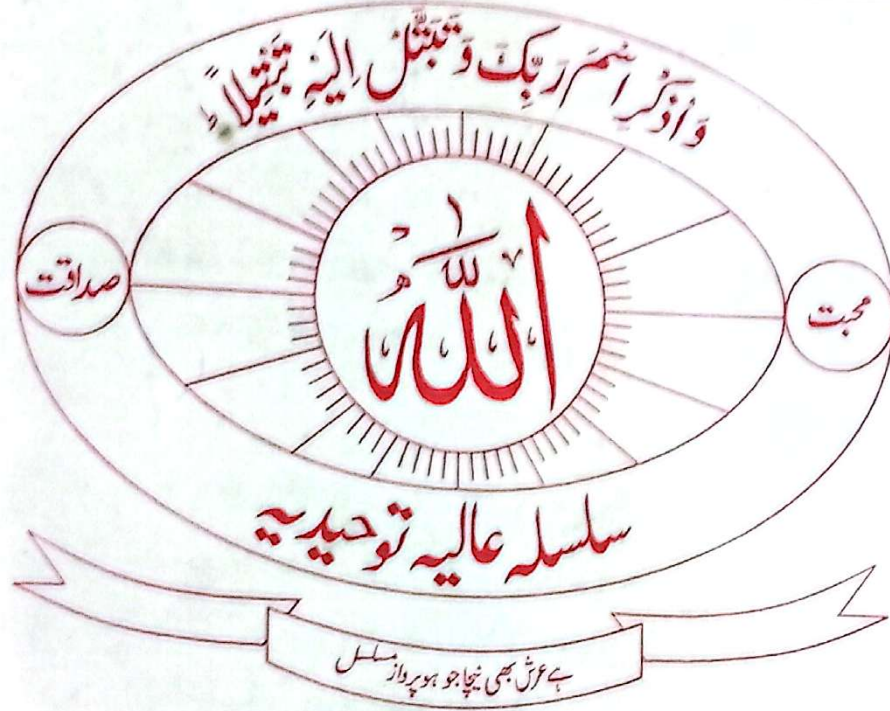
بانی سلسلہ کی تصانیف

"تعمیر ملت" قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال و انحطاط کی وجوہات۔

ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار

عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد۔

انسانی روح کی حقیقت کیا ہے۔ روح کس طرح دنیا میں آتی ہے اور واپسی کا سفر کیسے طے کرتی ہے۔

اسلامی عبادات، معاملات اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات

امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کے لئے واضح لائحہ عمل

صفحات:۔ 272

قیمت:۔ 100